مات ہونے تک

از

عمیرہ احمد

مات ہونے تک

بعض باتیں آپ کو بے اختیار ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہیں، جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے فاطمہ کی کہی ہوئی ایک بات نے مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ویسے یہ صرف آج کی بات نہیں ہے، وہ جب بھی یہ جملے بولتی ہے، مجھے بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے مگر میں بے حد کوشش کر کے اپنی ہنسی پر قابو پا لیتا ہوں اور جب وہ میرے پاس سے چلی جاتی ہے تو پھر میں بے ساختہ ہنس پڑتا ہوں۔ جیسے ابھی ہنس رہا ہوں۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ فاطمہ کون ہے اور وہ ایسا کیا کہہ دیتی ہے جو مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیتا ہے اور اگر اس کی کوئی بات مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہے تو پھر میں اس کے سامنے کیوں نہیں ہنستا، بعد میں کیوں ہنستا ہوں۔

فاطمہ میری بیوی ہے۔ ہماری شادی کو پندرہ سال گزر چکے ہیں۔ ہماری دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ آج کے زمانے کے تمام تقاضوں کے اعتبار سے ہم ایک آئیڈیل زندگی گزار رہے ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں...... نہیں، میرا خیال ہے، اس جملے میں کچھ تصحیح کی ضرورت ہے۔ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرنے کے ساتھ ساتھ میری احسان مند بھی ہے۔ اس حد تک احسان مند ہے کہ اگر میں آج اس سے کہوں کہ وہ میرے لیے ایک بلند عمارت کی دسویں منزل پر سے کود جائے تو وہ کوئی سوال کیے بغیر کود جائے گی۔

اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کیا وہ واقعی مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے؟ تھوڑی دیر پہلے ہی میں نے آپ کو بتایا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرنے کے ساتھ ساتھ میری احسان مند بھی ہے اور اگر وہ اس طرح میرے کہنے پر جان دے دے گی تو اس کی بنیادی وجہ وہ احسان ہوگا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے، آخر میں نے اس پر ایسا کون سا احسان کیا ہے؟ لیکن اس سے پہلے آپ کو کچھ اور سوالوں کے جواب بھی تو چاہئیں۔ یاد نہیں، آپ کو وہی بات جو مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا، میں کیا کروں۔ پہلے آپ کو ہنسنے والی بات بتاؤں یا پھر یہ احسان والی...... خیر چلیے، بات وہیں سے شروع کرتے ہیں۔

تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے فاطمہ چائے کا کپ لے کر میرے کمرے میں آئی۔ میں اس وقت اخبار دیکھ رہا تھا۔ اس نے چائے کا کپ مجھے تھما دیا پھر خود بھی میرے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں اخبار کی اہم خبروں کے بارے میں اس سے بات کرنے لگا۔ وہ اپنے ریمارکس دینے لگی پھر باتوں باتوں میں ہی ایک خبر پر اس نے اپنا پسندیدہ جملہ دہرایا۔

"خیر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ عورت مرد سے زیادہ عقل مند ہوتی ہے۔"

ہمیشہ کی طرح اس کی بات پر میرا دل بے اختیار ہنسنے کو چاہا مگر میں نے ہمیشہ ہی کی طرح اپنی ہنسی پر قابو پایا اور اسے بہت غور سے دیکھا، وہ

آج بھی اتنی ہی خوبصورت ہے جتنی آج سے پندرہ سال پہلے تھی۔ بعض چیزوں اور چہروں کا وقت کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ بھی ایسا ہی ایک چہرہ ہے۔ میں بہت دیر تک اخبار بھول کر اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ اپنے ناخنوں کو File سے رگڑ رہی تھی۔ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا، وہ کسی نہ کسی بات میں یہ جملہ دہراتی اور میں اس کا چہرہ دیکھنا شروع ہو جاتا پھر مجھے پندرہ سال پہلے ہونے والے سارے واقعات یاد آنے لگتے اور مجھے اپنے آپ پر فخر ہونے لگتا مگر ساتھ ہی مجھے اپنی ہنسی پر قابو پانا بھی بہت مشکل ہو جاتا۔ ایسے لمحات میں وہ اٹھ کر میرے پاس سے چلی جاتی اور پھر میں بے اختیار ہنستا چلا جاتا۔ آخر اس بات پر کیوں نہ ہنسا جائے کہ عورت جیسی مخلوق اپنے آپ کو مرد سے...... ہاں...... ''مرد'' سے زیادہ عقل مند سمجھتی ہے۔ میں جانتا ہوں اگر آپ مرد ہیں تو آپ خود بھی اس وقت میری بات پر سر ہلاتے ہوئے ہنس نہیں تو مسکرا ضرور رہے ہوں گے اور اگر آپ عورت ہیں تو یقیناً اس وقت آپ کی ساری ہمدردیاں فاطمہ کے ساتھ ہوں گی اور شاید نہیں بلکہ...... یقیناً آپ مجھے ملامت کر رہی ہوں گی اور سوچ رہی ہوں گی کہ میں بھی وہی روایتی سا مرد ہوں، وہی میل شاؤنزم کا شکار ایک بندہ۔ خیر اب ایسا بھی نہیں ہے۔ میں قطعاً بھی کسی قسم کے شاؤنزم کا شکار نہیں ہوں مگر اس میں تو کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں ہے کہ عورت کسی بھی طرح مرد سے عقل مند نہیں ہو سکتی، چاہے، وہ کچھ بھی کر لے اور پھر فاطمہ...... وہ تو کبھی بھی عقل مندی کا دعویٰ نہیں کر سکتی مگر مزے کی بات یہ ہے کہ وہ اکثر یہ بات دہراتی رہتی ہے اور وہ بھی بڑے فخریہ انداز میں۔

اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ چونکہ میں فاطمہ کا شوہر ہوں اس لیے کبھی بھی اپنی بیوی کو خود سے بہتر نہیں سمجھ سکتا۔ ایک مشرقی شوہر کی یہ سب سے بڑی خاصیت سمجھی جاتی ہے۔ آپ اب بھی غلط سمجھ رہے ہیں، میں قطعاً بھی اپنی بیوی کو خود سے کم تر سمجھنے کا قائل نہیں ہوں مگر جب بیوی اس قسم کے احمقانہ بیانات دیتی پھرے، وہ بھی اس صورت میں جب پچھلے پندرہ سال سے میرا اور اس کا ساتھ ہی مرد کی روایتی ذہانت کا ایک واضح ثبوت ہے مگر وہ حقیقت نہیں جانتی ورنہ شاید پچھلے پندرہ سال میں ایک بار بھی یہ اعلان نہ کرتی کہ عورت مرد سے زیادہ عقل مند ہے۔ بالکل اسی طرح آپ لوگ حقیقت سے لاعلم ہیں۔ ورنہ شاید آپ اس وقت میری ہاں میں ہاں ملا رہے ہوتے۔ چلیں، ایسا کرتے ہیں کہ میں اپنا کیس آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں، سارے Facts and figures کے ساتھ اور پھر آپ لوگ ہی فیصلہ کیجئے گا کہ کیا میں یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں کہ مرد عورت سے زیادہ عقل مند ہے اور عورت کبھی بھی اس کے حربوں اور ہتھکنڈوں کو سمجھ سکتی ہے، نہ اس کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ دیکھیں جو بھی فیصلہ دیجئے گا بہت دیانت داری سے دیجئے گا۔ خاص طور پر اگر آپ ایک عورت ہیں تو عورتوں کے اس روایتی تعصب سے بالاتر ہو کر اپنی رائے کا اظہار کیجئے گا۔

✡......✪......✡

فاطمہ میرے سب سے چھوٹے چچا کی بیٹی تھی۔ چار بہنوں اور ایک بھائی میں سب سے بڑی۔ ہم سب لوگ جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے تھے۔ میرے والد سب سے بڑے تھے، ان کا سرامکس کا بزنس تھا۔ آہستہ آہستہ یہ بزنس اتنا اچھا ہو گیا کہ میرے والدین کو اب باقی لوگوں کے ساتھ رہنا مشکل لگنے لگا، چنانچہ جلد ہی ہم لوگ الگ گھر میں شفٹ ہو گئے۔ صرف گھر تبدیل نہیں ہوا بلکہ ہمارا معیار زندگی بھی بدل گیا۔ گھر میں گاڑی آ گئی۔ ہم لوگوں کو شہر کے سب سے اچھے سکولوں میں سے ایک میں داخل کروا دیا گیا اور ہاں، صرف یہ سب کچھ ہی نہیں بدلا، ہم لوگوں کے رویے میں بھی تبدیلی آ گئی۔ بھئی، آپ تو جانتے ہی ہیں، دولت آنے کے بعد یہ تبدیلی تو ناگزیر ہو جاتی ہے۔ آفٹر آل آپ کے رویے سے بھی تو پتا چلنا چاہیے

کہ آپ کے پاس ''کیا'' ہے اور ''کتنا'' ہے۔ شروع میں ہمارے والدین نے ہمیں اس ''تبدیلی'' کے بارے میں ''بنیادی'' باتوں سے آگاہ کیا۔ بعد میں ہم نے ان باتوں کو اپنے کمال پر پہنچا دیا۔ اس زمانے میں کوئی ہم سے ملتا تو اسے لگتا، جیسے شہر میں صرف ہم ہی ''امیر'' ہیں۔

ہاں، میں آپ کو یہ بتانا بھول ہی گیا کہ ہم لوگ اپنے چچاؤں وغیرہ سے کافی کم ہی ملا کرتے تھے۔ اصل میں غریب رشتے داروں سے ملنے میں ایک بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ مانگتے ہی رہتے ہیں۔ ہمیشہ ان کی زبان پر کوئی نہ کوئی فرمائش ہوتی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ امیر رشتے داروں کے گھر آتے ہوئے خاص طور پر اپنی جھولیاں پھیلائے ہی رکھتے ہیں تاکہ کچھ نہ کچھ تو مل ہی جائے۔ یہ آخری والا جملہ اگر آپ کو نامناسب لگ رہا ہے تو میں آپ پر واضح کر دوں کہ یہ میرا نہیں، میری امی کا فرمایا ہوا جملہ ہے جو وہ اکثر کہتی رہتی تھیں۔ آپ تو جانتے ہیں کہ ماں کی دعا جنت کی ہوا ہوتی ہے اور میرے لیے تو ماں کا فرمانا بھی جنت کی ہوا سے کم نہیں تھا۔

میرا خیال ہے، ابھی میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ میرے علاوہ ان کی تین بیٹیاں تھیں اور وہ تینوں مجھ سے بڑی تھیں۔ اکلوتا بیٹا آپ جانتے ہی ہیں، کیا چیز ہوتا ہے، خاص طور پر جبکہ والدین امیر بھی ہوں۔ میری پرورش ان تمام آزمودہ طریقوں سے کی گئی تھی جو پچھلے کئی سالوں سے اکلوتے بیٹوں کو بگاڑنے کے لیے کارگر تھے۔ اب کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ میں دن کو اگر رات کہتا تو میرے والدین کے لیے وہ رات ہی ہوتی مگر خود میں دن کو کبھی رات نہیں سمجھتا تھا۔ خیر تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ میں والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ میری تیوری کے بلوں سے بچنے کے لیے وہ خاصی کوشش کیا کرتے تھے اور میں یہ کوشش اکثر ناکام کر دیا کرتا تھا۔ اس خاص قسم کے لاڈ پیار کا نتیجہ وہی ہوا جو اکثر ہوتا ہے۔ میرا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا۔ میں نے بمشکل گریجویشن کیا حالانکہ میرے والد صاحب مجھے باہر اعلیٰ تعلیم کے لیے بھجوانے پر تلے ہوئے تھے۔ اگرچہ میں نے شروع سے ہی ان پر واضح کر دیا تھا کہ میں گریجویشن سے زیادہ کی اہلیت نہیں رکھتا مگر انھیں کبھی میری باتوں پر یقین نہیں آیا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں بالآخر ہر امتحان میں پاس ہو ہی جایا کرتا تھا چاہے وہ مڈل ہو یا میٹرک یا پھر ایف اے میں کسی نہ کسی طرح پاس ہو ہی جایا کرتا تھا۔ اب آپ یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ کسی نہ کسی طرح سے میری کیا مراد ہے۔ ہاں تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ ایف اے تک انھیں میری باتوں پر بالکل یقین نہیں آیا مگر بی اے میں پہلی بار جب میں نے سپلی لی تو انھیں پہلی بار اس بات پر اعتبار آیا کہ ان کا بیٹا کافی خود شناس ہے۔ لیکن پھر بھی پتا نہیں کیوں، انھوں نے ایک بار بھی اپنی چھٹی حس پر اعتبار کرنا گوارا نہیں سمجھا۔ آپ تو جانتے ہیں، پرانی نسل نئی نسل پر اتنی جلدی اعتبار نہیں کرتی۔ خیر تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ میری سپلی کے بارے میں جاننے کے بعد انھوں نے مجھے بہت حوصلہ دیا، میری بہت ہمت بندھائی۔ اب یہ اور بات ہے کہ مجھے ان دونوں ہی چیزوں کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اپنی ناکامی سے مجھے کوئی مایوسی نہیں ہوئی تھی۔

انھوں نے کہا تھا۔ ''تم فکر نہ کرو بی، اے میں تو پہلی بار بڑے بڑے فیل ہو جاتے ہیں۔ تم دوبارہ تیاری کرو، انشاء اللہ تعالیٰ اس بار تم ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔''

آپ یقین کیجیے مجھے بی اے میں ناکامی نے اتنا ڈپریس نہیں کیا تھا، جتنا ان کے ان الفاظ نے کیا تھا۔ مجھے بی، اے کے کورس کی کتابیں سانپ بن کر اپنے آگے پیچھے لہراتی نظر آنے لگیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں، میرے جیسا بندہ جس کے لیے کوئی کتاب پہلی بار پڑھنا بہت تکلیف دہ

عمل ہوتا ہے دوسری بار تو یقیناً یہ موت ہوتا ہے۔ آپ خود بتائیں آپ میں سے کتنے ہیں جو پورے دو سال کورس کی کتابیں پڑھیں پھر اس میں فیل ہو جائیں اور آپ سے دوبارہ انہی کتابوں کو پڑھنے کے لیے کہا جائے تو پھر کیا آپ کی Feelings مجھ سے مختلف ہوں گی۔

خیر میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ میں نے اپنے والد کو سمجھانے کی پوری کوشش کی کہ دوسری بار بھی مجھ میں اپنے پہلے "عمل" کو دہرانے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے اور نمبر کم تو ہو سکتے ہیں مگر کسی طور پر بھی ان کے بڑھنے کی کوئی امید نہیں ہے لیکن میرے والد اور والدہ کو میری علمی صلاحیتوں سے زیادہ اپنے وظائف اور تعویذ گنڈوں پر اعتماد تھا۔ انھیں یقین تھا کہ اگلی بار کوئی نہ کوئی غیبی طاقت نتیجہ بدل کر رکھ دے گی آپ یقین کریں یا نہ کریں، اگلی بار واقعی اس غیبی طاقت نے نتیجہ بدل کر رکھ دیا۔ میں ایک کے بجائے دو مضامین میں فیل ہوا۔ مجھے کوئی شاک نہیں لگا کیونکہ میری غیبی طاقت نے مجھے پہلے ہی اس رزلٹ سے آگاہ کر دیا تھا مگر میرے والدین کافی پریشان ہوئے۔ انھیں دکھ تھا کہ میری راتوں کی محنت کوئی رنگ نہیں لائی۔ مجھے بھی اس بات کا افسوس ضرور تھا کہ ان کی راتوں کی محنت بھی کوئی رنگ نہیں لائی کیونکہ میں رات کو دل لگا کر پڑھتا تھا یا نہیں مگر وہ دل لگا کر میرے لیے راتوں کو وظیفے ضرور کرتے تھے۔

اصل قیامت مجھ پر تب ٹوٹی، جب مجھے ایک بار پھر کوشش کرنے کے لیے کہا گیا۔ دیکھیں اگرچہ بی اے میں دوبارہ فیل ہونا اور وہ بھی بغیر کسی محنت کے ایک انتہائی دلچسپ اور سکون بخش کام ہے، اتنا ہی پرمسرت اور سکون بخش جتنا انضمام الحق کے لیے صفر پر آؤٹ ہونا مگر آخر دو بار صفر پر آؤٹ ہونے کے بعد تیسری بار تو وہ بے چارہ بھی صفر پر آؤٹ نہ ہونے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ کچھ اسی طرح کی کوشش میں نے بھی کی تھی۔ تیسری بار میں نے بالآخر بی اے کا ماؤنٹ ایورسٹ تسخیر کر ہی لیا تھا اور یقین کیجیے، یہ جان کر مجھے دلی مسرت ہوئی تھی کہ بی اے میں میری تھرڈ ڈویژن نے میرے والدین کی ساری امیدوں کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا تھا۔ ظاہر ہے، ایک تھرڈ ڈویژنر کو کوئی بھی باہر کی یونیورسٹی قبول نہیں کرتی تھی کم از کم اس زمانے میں خیر تو میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ میری دلی مراد پوری ہوگئی۔ مزید تعلیم سے مجھے چھٹکارا مل گیا۔ میرے والدین کو کچھ ہفتے تو اس بات کا خاصا صدمہ رہا مگر بالآخر انھیں بھی صبر آ گیا۔ میرے والد نے مجھے باقاعدہ طور پر اپنی فیکٹری جوائن کرنے کے لیے کہا اور میں نے ان کی یہ خواہش فوراً پوری کر دی۔

میں نے ان کے کہنے کے اگلے ہی دن فیکٹری جانا شروع کر دیا۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں، اگرچہ میں ایک بگڑی ہوئی اولاد تھا مگر مجھے اپنے باپ کے کاروبار میں بہت دلچسپی تھی اور میں شروع سے ہی یہ چاہتا تھا کہ وہ مجھے پڑھنے لکھنے کی طرف زیادہ راغب کرنے کے بجائے بزنس میں حصہ لینے دیں۔

فیکٹری جوائن کرنے کے ابتدائی چند مہینوں میں ہی میرے والد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اتنا نکما بھی نہیں تھا، جتنا ان کا اندازہ تھا۔ کم از کم بزنس کے معاملے میں اچھا خاصا تھا۔ اصل میں بات یہ ہے کہ بزنس کرنے کے لیے اگرچہ آپ کو اس بزنس سے متعلقہ تمام بنیادی باتوں کا علم ہونا چاہیے لیکن اس کے علاوہ ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور وہ وسیع قسم کے تعلقات ہیں۔ شاید میں نے ابھی آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میرے تعلقات خاصے وسیع تھے۔ جب آپ کے پاس دولت ہو اور خاصی ہو تو پھر آپ کے لیے اپنی ہی طرح کے دولت مند لوگوں سے میل جول بڑھانا

خاصا آسان ہو جاتا ہے اپنی ہی طرح کے لوگوں سے میری مراد نو دولتیا کلاس ہے مگر اس معاملے میں میرا ٹیسٹ بہت اچھا تھا۔ میں نے چن چن کر ایسے لوگوں سے میل جول بڑھایا جو خاندانی تھے اب آپ یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ خاندانی سے ہمارے معاشرے میں کیا مراد لی جاتی ہے یعنی جو امیر ہیں لیکن میرے دوست صرف امیر ہی نہیں تھے، وہ بارسوخ خاندان سے بھی تعلق رکھتے تھے نتیجہ صاف ظاہر ہے، مجھے جب بھی اپنے بزنس کے سلسلے میں کسی مشکل یا دشواری کا سامنا کرنا پڑتا میں اپنے دوستوں کے اثر و رسوخ کا سہارا لیتا اور وہ مشکل منٹوں میں حل ہو جاتی اور اس کے بدلے میں میں اپنے دوستوں پر روپیہ خرچ کرتا رہتا۔ اب ظاہر ہے، یہ تو ضروری تھا۔ اس کے بغیر تو کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔ آخر یہ Give and take کی دنیا ہے اگرچہ میں تو Take and give پر یقین رکھتا ہوں ہاں تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ میں نے بڑی کامیابی سے اپنے والد کی فیکٹری کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ وہ اس معاملے میں مجھ سے بہت خوش تھے۔

اگلے دو سالوں میں، میں نے اپنی فیکٹری کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی تھی۔ میرے انتظام سنبھالنے سے پہلے میرے والد سرامکس کی چیزیں صرف ملک کے اندر ہی سپلائی کرتے تھے، میں نے ان چیزوں کو ایکسپورٹ بھی کرنا شروع کر دیا۔ فیکٹری میں کام کرنے والی لیبر اگرچہ Skilled تھی لیکن میں نے باقاعدہ طور پر ان کی تربیت کے لیے مناسب انتظامات کیے چیزوں کی کوالٹی کو بہتر بنایا فیکٹری میں استعمال ہونے والی تقریباً ساری مشینری کو بدل ڈالا امپورٹڈ مشینری کی قیمت اور دوسرے اخراجات نے اگرچہ میرے والد کو کافی پریشان اور ناراض کیا مگر آخر میں جب انھوں نے ہر سال کے Net پروفٹ کو دیکھنا شروع کیا تو ان کی پریشانی بالکل غائب ہو گئی۔ میں نے فیکٹری سنبھالنے کے پہلے ہی سال اپنی فیکٹری کے پروفٹ کو دگنا کر دیا تھا اور ظاہر ہے، لمبے چوڑے اخراجات کے باوجود بھی اگر منافع دگنا ہو گیا تھا تو میرے والد اس بات پر مجھ سے زیادہ دیر تک تو ناراض نہیں رہ سکتے تھے۔

میں جانتا ہوں، اب آپ میرے ان کارناموں کی تفصیل سن سن کر تنگ آ گئے ہوں گے یقیناً میرا مقصد آپ کو اپنی صلاحیتوں سے متاثر کرنا نہیں تھا، میں نے آپ کو صرف یہ بتایا تھا کہ میں کچھ ایسا بھی ناکارہ بندہ نہیں تھا، تعلیم میں نہ سہی لیکن بزنس میں ضرور Exceptional تھا اور اس میدان میں میری ان خاص قسم کی کامیابیوں نے خاندان میں میرا ایک خاص مقام بنا دیا تھا۔ ہاں ایک بات واضح کر دوں کہ خاندان سے میری مراد اپنے ماں باپ اور بہنیں وغیرہ نہیں ہیں کیونکہ ان کی نظروں میں تو ایسے کارنامے کے بغیر ہی میرا مقام خاصا بلند تھا اور ہمیشہ رہتا۔ خاندان سے میری مراد اپنے چچاؤں اور ان کے گھر والوں سے ہے۔ ان دنوں خاندان میں ہر ایک کی نظریں مجھ پر گڑی ہوئی تھیں۔ اب یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ غریب لوگ اپنے امیر رشتے داروں کی اولاد پر کس طرح گھات لگائے بیٹھے ہوتے ہیں اگر آپ کو ایک بار پھر یہ جملہ نامناسب یا قابل اعتراض لگا ہے تو میں ایک بار پھر آپ پر یہ واضح کر دینا چاہوں گا کہ یہ جملہ میری امی کا فرمایا ہوا ہے اور آئندہ بھی جو جملہ آپ کو بہت قابل اعتراض یا نامناسب لگے تو آپ یہ جان لیجیے کہ وہ میری امی ہی کا ہوگا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ماؤں کی ذمے داریاں دہری تہری ہوتی ہیں انھیں نہ صرف اولاد کی پرورش کرنا ہوتا ہے۔ بلکہ انھیں غریب رشتہ داروں کی کمینگی کے بارے میں بتانا ہوتا ہے۔ میرا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ میری امی نے بڑی صفائی مہارت اور کامیابی سے بچپن میں ہی ہم بھائی بہنوں کو یہ بات سمجھا دی تھی کہ ہم بہن بھائی اپنے دوسرے کزنز سے بہت مختلف ہیں کیونکہ ہمارے پاس

روپیہ ہے اور ہمارے کزنز کسی بھی طرح ہمارے مقابل نہیں آسکتے اس لیے ہمیں ان کے ساتھ ایک خاص قسم کا برتاؤ کرنا چاہیے تاکہ انھیں یہ بات یاد رہے کہ ان کے اور ہمارے درمیان بہت کچھ مختلف ہے۔ اب آپ جانتے ہی ہیں، جب آپ کی پرورش اس طرح کے سنہری اصولوں کے مطابق ہوئی ہو تو واقعی آپ دوسرے لوگوں سے میرا مطلب ہے، عام لوگوں سے خاصے مختلف ہوتے ہیں۔ اب براہ مہربانی مجھ سے یہ مت پوچھیے گا کہ عام لوگوں سے میری کیا مراد ہے۔ ظاہر ہے، میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جن کے پاس پیسہ نہیں ہوتا اور ایسے لوگوں میں میرے ددھیال کا بھی شمار ہوتا تھا۔ اچھا ویسے یہ بھی نہیں تھا کہ وہ سب لوگ بہت ہی غریب تھے۔ وہ سب ایک بڑی حویلی میں رہتے تھے، اچھا کھاتے اچھا پہنتے تھے۔ میرے تینوں چچا مختلف سرکاری محکموں میں ملازم تھے اور بدقسمتی سے انھیں ایمان داری کی بیماری بھی تھی پھر ظاہر ہے، ایسے حالات میں ترقی کے مواقع کیسے مل سکتے ہیں، خوش قسمتی سے میرے والد نے سرکاری ملازمت نہیں کی، ان کا رجحان شروع سے ہی بزنس کی طرف تھا۔ شروع میں انھیں کافی محنت کرنی پڑی لیکن پھر جب انھوں نے دو+ دو= گیارہ بنانے کا فارمولا سیکھ لیا تو ان کے تمام مسائل حل ہو گئے۔ نہ صرف کاروبار اچھا ہو گیا بلکہ ان کی مالی حیثیت بھی اپنے بھائیوں سے بہت بہتر ہو گئی۔ خیر تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ میرے چچا کچھ ایسے بھی غریب نہ تھے مگر بہر حال وہ ہمارے مقابلے میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ حویلی سے ایک الگ گھر میں شفٹ ہونے کے بعد شروع شروع میں ہمارا حویلی میں آنا جانا رہا لیکن پھر جوں جوں ہمارا کاروبار ترقی کرتا گیا، یہ میل جول آہستہ آہستہ تقریباً ختم ہوتا گیا اور پھر نوبت یہاں تک آ گئی کہ ہم لوگ باقی خاندان والوں سے کسی شادی یا کسی دوسری تقریب میں ہی ملتے تھے۔

ہمارے خاندان میں عام طور پر ساری شادیاں خاندان کے اندر ہی کرتے ہیں لیکن میرے والدین نے اس رسم کو بھی توڑ ڈالا۔ خاندان کے مختلف لوگوں کے اصرار کے باوجود انھوں نے میری تینوں بہنوں کی شادی خاندان کے باہر کیں اور آپ جانتے ہی ہوں گے، اس کی وجوہات کیا ہو سکتی ہیں۔ جی بالکل، آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ روپیہ، شاید میرے والد تو کبھی بھی خاندان سے باہر شادی کرنے پر تیار نہ ہوتے لیکن میری امی نے خاندان کے اندر میری بہنوں کی ممکنہ شادی کے بعد ان کے ہولناک مستقبل کی اتنی دلدوز تصویریں کھینچیں کہ بالآخر میرے والد صاحب میری تینوں بہنوں کی شادی خاندان سے باہر کرنے پر تیار ہو گئے۔ اب خاندان والوں کی بدقسمتی کہہ لیجیے یا میری بہنوں کی خوش قسمتی کہ ان تینوں کے رشتے بہت ہی اچھے خاندانوں میں ہو گئے اور نہ صرف وہ ہم سے بھی اعلیٰ خاندانوں میں گئیں بلکہ وہ وہاں بہت خوش بھی ہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں اگر روپیہ روپے کو کھینچتا ہے تو اچھا خاندان اچھے خاندان کو۔ خیر تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ اپنے خاندان سے جن بہت سی وجوہات کی بناء پر ہم تقریباً کٹ کر رہ گئے تھے، اس میں میری بہنوں کی شادی بھی تھی۔

میرے چچاؤں نے اور کسی معاملے میں میرے والد سے برتری حاصل کی یا نہیں، بہر حال ایک معاملے میں ان کی سبقت مصدق تھی ان تینوں کی اولادیں تعلیم کے معاملے میں ہم لوگوں سے بہت آگے تھیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں، غریب لڑکے اکثر پڑھائی میں تیز ہوتے ہیں اور آپ کو یہ بھی علم ہوگا کہ یہ پڑھائی وغیرہ کا کام بھی بے کار لوگوں کو ہی سجتا ہے اور غریبوں سے زیادہ بیکار اور کون ہو سکتا ہے۔ امیروں کو تو اور بہتیرے کام ہوتے ہیں۔ دیکھیں ناراض نہ ہوں، میں جانتا ہوں، یہ کچھ زیادہ اچھے ریمارکس نہیں ہیں مگر میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ آپ کو میرا کوئی تبصرہ برا لگے تو یاد

رکھیے، وہ میرے نہیں میری امی کے الفاظ ہوں گے۔ یہ الفاظ بھی میری امی کے ہی ہیں جو انھوں نے میرے چچا کے سب سے بڑے بیٹے احتشام کے ایم۔ اے اکنامکس میں ٹاپ کرنے پر کہے تھے۔ ہوسکتا ہے، اس وقت آپ میری امی کو بہت ناپسند کر رہے ہوں لیکن میری امی کچھ ایسی بری خاتون بھی نہیں ہیں۔ بس بات یہ ہے کہ ان دنوں میری امی کے زخم ہرے تھے، اس کی وجہ میری گریجویشن میں تھرڈ ڈویژن تھی۔ ظاہر ہے، کوئی بھی محبت کرنے والی ماں اس موقع پر اپنی اولاد کی ہزیمت کیسے برداشت کرسکتی ہے، یقیناً وہ اسی قسم کے تبصرے کریں گی۔

امی نے اس موقع پر اور بھی بہت کچھ کہا تھا مگر بہرحال اب یہ موقع زیادہ تفصیلات میں جانے کا نہیں ہے۔ خیر تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ احتشام صاحب کے اس گولڈ میڈل کی وجہ سے کئی دنوں تک میرے والدین کی راتوں کی نیندیں اڑی رہیں۔ لیکن مجھے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ دو ماہ بعد جب وہ یہ صدمہ بھلانے کے قابل ہوئے تو انھیں اور شاک یہ جان کر لگا کہ اسے ایک بنک میں بہت اچھی نوکری مل گئی ہے۔ میری امی نے اس موقع پر بھی بہت کچھ کہا تھا مگر مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے، میں اتنی معمولی باتوں پر کس طرح اس سے جیلس ہوتا یا دکھی ہوتا۔ دکھ اور جیلسی تو مجھے تب بھی نہیں ہوئی تھی، جب اس کی منگنی فاطمہ سے ہوگئی تھی۔ تین ماہ کے دوران میں اس کے گھر سے مٹھائی کا تیسرا ڈبہ آیا تھا۔ اس بار امی کا صدمہ سب سے زیادہ تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر انھیں اس بات پر غصہ کیوں آ رہا ہے کہ منجھلے چچا نے اپنے بیٹے کی منگنی چھوٹے چچا کی بیٹی سے کردی تھی۔ امی کئی دنوں تک اس بات پر بھڑکتی رہی تھیں۔ وہ اٹھتے بیٹھتے منجھلے اور چھوٹے چچا اور ان کی اولادوں اور بیویوں کو کچھ نہ کچھ سناتی رہیں۔ اس غصے کی وجہ مجھے چند ماہ بعد اتفاقاً انہی کی زبانی پتا چلی تھی۔

اصل میں میری خالہ نے احتشام کے ٹاپ کرنے پر میری امی سے کہا تھا کہ وہ ان کی بیٹی کے لیے احتشام کے والد یعنی میرے چچا سے بات کریں۔ امی نے اس سلسلے میں ان سے بات کی تھی مگر منجھلے چچا نے دوٹوک انکار کر دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ خاندان میں لڑکیوں کے ہوتے ہوئے وہ خاندان سے باہر کبھی نہیں جائیں گے اور ویسے بھی احتشام شروع سے ہی فاطمہ کو پسند کرتا تھا اس لیے کہیں اور رشتہ کرنے کی تو گنجائش ہی نہیں تھی۔ امی کو منجھلے چچا سے اس قسم کے کورے جواب کی توقع نہیں تھی اس لیے ان کا غصہ کچھ اور بھی زیادہ ہوگیا تھا۔ ناراضگی انھیں صرف منجھلے چچا سے نہیں تھی بلکہ سب سے چھوٹے چچا سے بھی تھی کیونکہ انھوں نے بھی میری امی کی خواہش جاننے کے باوجود منجھلے چچا کے بیٹے سے اپنی بیٹی کی نسبت طے کردی تھی۔ اب ظاہر ہے، ایسی باتوں پر میری امی چراغ پا نہ ہوتیں تو کیا کرتیں۔ کچھ بھی تھا، وہ اس خاندان کے بڑوں میں سے تھیں لیکن پھر بھی ان کی بات کو اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ خیر چند ماہ امی کا پارا آسمان پر رہا پھر آہستہ آہستہ وہ نارمل ہوتی گئیں۔

میں احتشام اور فاطمہ دونوں سے ذاتی طور پر زیادہ واقف تھا۔ ان سے ملاقات کبھی کبھار ہی ہوتی تھی اور وہ بھی سلام دعا سے زیادہ نہیں بڑھتی تھی۔ احتشام ویسے بھی مجھے تقریبات میں کم ہی نظر آتا تھا۔ جہاں تک فاطمہ کا تعلق تھا تو اس سے بھی میری شناسائی بہت محدود سی تھی۔ وہ ان دنوں یونیورسٹی میں پڑھا کرتی تھی، کو ایجوکیشن میں اور یہ بات مجھے ویسے ہی ناپسند تھی۔ خاندان کی باقی لڑکیاں بھی تعلیم حاصل کر رہی تھیں لیکن کسی نے بھی یونیورسٹی تک جانے کی ہمت نہیں کی تھی اور یہ ہمت اگر کسی نے کی بھی تو صرف فاطمہ نے اور یقیناً چھوٹے چچا کی شہ پر۔ میں ان دنوں تعلیم یافتہ لڑکیوں کو زیادہ پسند نہیں کرتا تھا اور خاص طور پر کو ایجوکیشن میں پڑھنے والی لڑکیوں کو۔ آپ خود ہی بتائیں، آخر لڑکیوں کو تعلیم حاصل کرنے کی کیا

ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے، تھوڑا بہت پڑھ لیں، جتنا ضروری ہے لیکن لمبی چوڑی ڈگریوں کی انھیں کیا ضرورت ہے؟ کیا میں یہاں وہی جملہ دہراؤں کہ آخر کو تو انھیں ہانڈی چولہا ہی...... خیر اگر وہ تعلیم حاصل کرنا ہی چاہتی ہیں تو پھر کو ایجوکیشن میں پڑھنا تو خاصا نامناسب کام ہے۔

فاطمہ کا یونیورسٹی میں داخلہ لینا، ہماری خاندانی روایات سے کھلم کھلا انحراف تھا اور اس بات پر میری امی اور ابو نے کافی اعتراضات بھی کیے تھے مگر کچھ خاص فائدہ نہیں ہوا۔ چھوٹے چچا نے خاموشی سے ان کی باتیں سنیں اور بس۔ بہرحال فاطمہ کے بارے میں میری رائے کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی اور یہی حال میرے گھر والوں کا تھا۔ خاص طور پر امی کبھی بھی اس کا ذکر اچھے لفظوں میں نہیں کرتی تھیں۔

زندگی میں کچھ واقعات بڑے عجیب ہوتے ہیں اور وہ واقعات زندگی میں بہت اہم بھی ہوتے ہیں۔ اب پتا نہیں، وہ عجیب ہونے کی وجہ سے اہم ہوتے ہیں یا اہم ہونے کی وجہ سے عجیب۔ محبت بھی ایک ایسا ہی عجیب واقعہ ہوتا ہے اگرچہ میں تعلیمی میدان میں کچھ زیادہ نمایاں نہیں تھا مگر اس ایک خامی کے علاوہ میرے اندر کوئی دوسری خامی نہیں پائی جاتی تھی۔ میں کسی بری صحبت کا بھی شکار نہیں تھا اگرچہ روپیہ خرچ کرنا پسند کرتا تھا مگر بہرحال اس کو اندھا دھند نہیں لٹاتا تھا، خاص طور پر فیکٹری سنبھالنے کے بعد اور آپ کو یقین آئے یا نہ آئے لیکن یہ صحیح ہے کہ مجھے کسی زمانے میں بھی لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ عشق و محبت تو بڑے دور کی بات تھی۔ اس اعتبار سے آپ مجھے ایک اچھے کردار کا بندہ کہہ سکتے ہیں۔ اصل میں لڑکیوں کے بارے میں اس عدم دلچسپی کی بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ پہلی شاید یہ تھی کہ مجھے شروع سے ہی کچھ دوسری چیزوں کا جنون کی حد تک شوق رہا تھا، مثلاً سیر و تفریح، سپورٹس اور شاپنگ اور یہ صرف میرے شوق نہیں تھے، میرے جنون تھے۔ جب آپ زندگی اس طرح کی سرگرمیوں میں گزارتے رہے ہوں تو پھر کسی اور سرگرمی کا خیال ذرا مشکل سے ہی ذہن میں آتا ہے۔ جب ان سرگرمیوں سے فراغت نصیب ہوتی تو پھر والدین کو خوش کرنے کے لیے کتابیں اٹھائے پھرتا میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ انھیں شروع سے ہی مجھے بیرون ملک تعلیم دلوانے کا بہت شوق رہا تھا اور اس شوق نے میری زندگی کو خاصا محدود کر دیا تھا۔ جب تعلیم سے فارغ ہوا تو پھر فیکٹری کی ذمے داری کندھوں پر آ گئی۔ اس میں تبدیلیاں لانے میں میرے باقی شوق یا جنون بھی کم ہو گئے۔ ہمیشہ کے لیے نہ سہی مگر فیکٹری سنبھالنے کے دو تین سال بعد تک میں نے فیکٹری کے سوا اور کوئی مصروفیت نہیں پالی۔ فیکٹری ان دنوں میرے حواس پر سوار تھی اور ظاہر ہے، اس طرح کی زندگی گزارنے والا بندہ عشق و محبت کے روگ کیسے پال سکتا ہے، سو ایک لمبے عرصے تک میں بھی ان تمام روگوں سے بچا رہا مگر آخر کب تک......

اس دن ابو نے مجھے کسی کام سے بڑے چچا کے پاس بھیجا تھا۔ چچا اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ چچی نے مجھے یہ کہہ کر بٹھا لیا کہ وہ بس آنے ہی والے ہیں، میں کچھ دیر انتظار کر لوں۔ میں نے کوشش کی کہ میں انتظار کرنے کے بجائے وہاں سے نکل آؤں لیکن میری کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ چچی نے اتنا اصرار کیا کہ مجھے بیٹھنا ہی پڑا۔

وہ میرے لیے چائے کا انتظام کرنے کچن میں چلی گئیں۔ میں اندر ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہنے کے بجائے باہر لان کی طرف نکل گیا۔ برآمدے میں کھڑے ہو کر میں دالان میں لگے ہوئے پودوں کو دیکھ رہا تھا اور تبھی میں نے چھوٹے چچا کے گھر والے حصے سے اسے نکلتے دیکھا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ بچپن یہیں ان لوگوں کے ساتھ کھیلتے گزارا تھا اور اب بھی کبھی کبھار کسی تقریب میں اس پر نظر پڑ ہی جاتی

تھی مگر پتا نہیں، اس دن وہ مجھے اتنی مختلف کیوں لگی۔ شاید اس کی وجہ وہ مختلف قسم کی باتیں اور تاثرات تھے جو میں اپنے گھر والوں سے اس کے بارے میں سنتا اور سوچتا رہا تھا۔ لاشعوری طور پر میں اس کو دیکھتا رہا۔ پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خاصی دراز قد تھی۔ سیاہ قمیض اور سفید شلوار میں ملبوس سفید دوپٹہ بے پروائی سے گلے میں ڈالے ہوئے کندھوں سے نیچے تک لٹکتے ہوئے سیاہ چمک دار بالوں کو ہیئر بینڈ میں لپیٹے ہوئے وہ منجھلے چچا کے گھر کی طرف جارہی تھی۔ اس نے ابھی تک مجھے نہیں دیکھا تھا اور پتا نہیں کیوں لیکن میرا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس وقت میری طرف متوجہ ہو۔ بعض لمحے قبولیت کے ہوتے ہیں۔ شاید وہ لمحہ بھی تھا۔ منجھلے چچا کے برآمدے تک پہنچتے پہنچتے اس نے ایک سرسری نظر بڑے چچا کے حصے کی طرف ڈالی تھی اور پھر اس کے قدم ٹھٹک گئے تھے۔ کچھ دیر تک وہ شاید یہ فیصلہ کرتی رہی تھی کہ اسے میری طرف آنا چاہیے یا نہیں لیکن پھر وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔ میں نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔ پتا نہیں کیوں لیکن بے اختیار میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی۔ اس نے گلے میں پڑا ہوا دوپٹہ اب اپنے کندھوں پر پھیلا لیا تھا۔

''السلام علیکم، کیسے ہیں آپ؟'' وہ بالکل میرے سامنے آ کر رک گئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟'' میں نے اپنے دل کی دھڑکن پر قابو پاتے ہوئے کہا تھا۔

''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔ اکیلے آئے ہیں؟'' اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔

''ہاں اکیلا ہی آیا ہوں، اصل میں ابو نے بھیجا ہے، بڑے چچا کے پاس ایک کام کے سلسلے میں۔'' میں نے اسے بتایا۔

''بڑے چچا تو ابھی شاید آفس سے واپس نہیں آئے ہوں گے۔''

''ہاں، چچی کہہ رہی ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔ میں انہی کا انتظار کر رہا ہوں۔'' پتا نہیں کیوں میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس سے باتیں کرتا رہوں۔

''ٹھیک ہے۔ آپ انتظار کریں، مجھے ذرا منجھلے چچا کی طرف کام ہے۔'' اس نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا اور پھر واپس مڑنے لگی۔

''آپ آئیں نہ کبھی ہماری طرف۔'' وہ میری بات پر مڑتے مڑتے رک گئی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر یک دم حیرانی دیکھی پھر لمحوں میں وہ نارمل ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''آپ کی شادی ہو رہی ہے کیا؟'' میں اس کی بات پر گڑبڑا گیا۔

''مطلب؟''

''اصل میں آپ لوگوں کی طرف سے ہمیں صرف کسی شادی پر ہی بلایا جاتا ہے اور اب اپنے گھر میں صرف آپ ہی بچے ہیں تو میں نے سوچا شاید......'' فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس کی بات کا کیا جواب دوں۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے گھر آنے کے لیے کم از کم آپ لوگوں کو کسی تقریب کی ضرورت نہیں ہے۔ جب آپ کا دل چاہے، آپ آجائیں۔'' میں نے بالآخر اپنی شرمندگی پر قابو پا لیا تھا۔

''چلیں ٹھیک ہے، اب آپ نے انوائٹ کیا ہے تو ضرور آئیں گے۔'' میں نے اسے ایک بار پھر مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر وہ مڑ کر منجھلے چچا کے گھر کی طرف چلی گئی تھی۔

میں اس وقت تک اسے دیکھتا رہا، جب تک وہ دروازہ بند کر کے میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی۔ ضروری نہیں ہوتا کہ اگر انسان نظروں سے اوجھل ہو جائے تو ذہن سے بھی اوجھل ہو جائے جس طرح اس دن وہ میرے ذہن سے اوجھل نہیں ہوئی تھی۔

پہلی بار میں کسی صنف مخالف سے متاثر ہوا تھا اور پہلی بار ہی مجھے یہ احساس بھی ہوا تھا کہ وہ بہت خوبصورت تھی۔

خوبصورتی کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک خوبصورتی وہ ہوتی ہے جو آپ کو بے اختیار کچھ کہنے پر مجبور کر دے۔ ایک خوبصورتی وہ ہوتی ہے جو اس وقت آپ کو مسحور کر دے مگر بعد میں آپ اسے بیان کر سکیں مگر ایک خوبصورتی وہ ہوتی ہے جو ہمیشہ آپ کو مسحور کیے رکھتی ہے، نہ آپ اس وقت کچھ کہہ پاتے ہیں، نہ بعد میں ہی اس کو بیان کر پاتے ہیں۔ ایسی خوبصورتی آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتی، اندر کہیں کسی چیز پر جا کر لگتی ہے اس طرح کہ بعد میں بندہ کسی قابل ہی نہیں رہتا، جیسے اس دن میرے ساتھ ہوا تھا۔ وہ کیا کہتے ہیں

اسیر حسن تھا یا تھا مقید شہر
کوئی تو بات تھی ایسی کہیں گیا نہ گیا

بہر حال اس ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ چوتھے ہی دن میں بغیر کسی ارادی کوشش کے سب سے چھوٹے چچا کے گھر موجود تھا۔ میری وہاں آمد سب کے لیے بے حد حیران کن تھی۔ میں دوپہر کو وہاں گیا تھا اور شام کو وہاں سے واپس آیا، وہ بھی اس لیے کہ فاطمہ کو اپنے کسی ٹیسٹ کی تیاری کرنا تھی اور وہ معذرت کر کے شام کو اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ ظاہر ہے، اس کے بعد میں وہاں بیٹھ کر کیا کرتا۔

پہلی دفعہ ان دنوں میری سمجھ میں یہ آیا تھا کہ اگر بندے کو محبت میرا مطلب ہے، واقعی محبت ہو جائے تو پھر اس کا دل کسی اور چیز میں کیوں نہیں لگتا۔ ان دنوں اٹھتے بیٹھتے اگر کوئی چہرہ میرے سامنے رہتا تھا تو وہ فاطمہ کا چہرہ تھا۔ اگر کوئی آواز کانوں میں گونجتی تھی تو وہ بھی اسی کی آواز تھی۔ جتنی غلطیاں ان چند دنوں میں، میں نے فیکٹری میں کی تھیں، شاید پچھلے دو سال میں کبھی نہیں کی تھیں۔ مجھے حیرانی تھی کہ مجھے فاطمہ پہلے کبھی نظر کیوں نہیں آئی۔ پہلے کبھی مجھے اس سے محبت کیوں نہیں ہوئی۔ اب ہی یہ سب کچھ کیوں ہوا تھا مگر آپ کیا کر سکتے ہیں، بہت سی چیزیں زندگی میں بس ہو جاتی ہیں۔ کیوں، کب اور کیسے کی تو شاید کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

فاطمہ کے گھر جانے کے بعد میں پھر کسی طرح کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ اس سے میری ملاقات ہو جاتی یا کم از کم میں اسے دیکھ ہی لیتا۔ میں دوبارہ فاطمہ کے گھر نہیں گیا کیونکہ میرا اس طرح آنا جانا انھیں بہت عجیب لگتا۔ میں مہینوں میں کبھی وہاں کا ایک چکر لگایا کرتا تھا، وہ بھی کسی کام سے اور اب ایک ہی ہفتے کے بعد دوبارہ وہاں جانا سب کی نظروں میں کھٹکتا۔

اگلے ہفتے میں نے بہت اصرار کر کے اپنے گھر میں میلاد کروایا اور امی کو مجبور کیا کہ وہ تمام چچاؤں کو اس تقریب میں بلائیں۔ امی کو کچھ حیرت ہوئی تھی کہ اچانک مجھے میلاد کی کیا سوجھی اور پھر چچاؤں کے لیے اتنی محبت کہاں سے امڈ آئی۔ بہر حال انھوں نے ہامی بھر لی۔ تمام چچاؤں کو

دعوت دینے میں امی کے ساتھ خود گیا تھا۔ چھوٹے چچا کے گھر سے واپس آتے ہوئے میں کچھ لمحوں کے لیے رک گیا تھا اور میں نے اس سے کہا تھا۔

''میرا خیال ہے، اب آپ ضرور ہمارے گھر آئیں گی۔ اب تو شادی کی کوئی تقریب نہیں ہے۔'' اس نے میری بات پر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔

''شادی کی تقریب نہیں ہے مگر بہر حال تقریب تو ہے۔ آنے کا وعدہ نہیں کرتی البتہ کوشش ضرور کروں گی۔'' وہ کہہ کر اندر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی اور میں اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

میلاد کی محفل میں وہ نہیں آئی تھی۔ وہ اور اس کی ایک بہن گھر پر رک گئی تھیں۔ مجھے بہت مایوسی ہوئی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ آجائے گی مگر...... میں اسی وقت ابو کو ایک کام سے جانے کا کہہ کر اس کی طرف گیا تھا۔ دروازے پر مجھے دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئی تھی۔ میں نے اس کے نہ آنے کا شکوہ کیا تھا اور اس سے پیشتر کہ میں کچھ اور کہتا اس کی بہن وہاں آگئی پھر میں اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکا بس یہ کہہ کر نکل آیا کہ مجھے ان دونوں کے نہ آنے پر مایوسی ہوئی ہے۔ واپس گھر آکر میں بہت بے چین تھا۔ تقریباً باقی سارا خاندان ہی وہاں موجود تھا مگر مجھے سب کچھ بالکل بیکار لگ رہا تھا۔ میں نے سب کچھ اس کے لیے کیا تھا مگر وہ......

اس دن پہلی بار احتشام سے ملتے ہوئے میں نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا اور پتا نہیں کیوں، اس سے بات کرتے ہوئے میں بہت روکھا ہو گیا تھا، شاید اس نے میری اس بات کو محسوس کر لیا تھا مگر مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ تعلیم کے علاوہ اس بندے میں اور ایسی کوئی چیز نہیں تھی جو اسے اہم بناتی یا وہ دوسروں سے برتر نظر آتا۔ مجھے پہلی بار وہ اپنا رقیب لگا تھا۔ اس دن میں بار بار ایک ہی بات سوچ رہا تھا۔ کیا یہ بندہ اس قابل ہے کہ فاطمہ جیسی لڑکی اس کی بیوی بنے، وہ اپنی ساری زندگی اس کے ساتھ گزارے۔ جوں جوں میں ان دونوں کے رشتے کے بارے میں سوچتا گیا، میرے غصے اور جھنجلاہٹ میں اضافہ ہوا گیا اور اسی دن میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں یہ شادی کسی صورت ہونے نہیں دوں گا۔ کم از کم میری زندگی میں تو یہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس تقریب کے تیسرے دن میں یونیورسٹی پہنچ گیا تھا۔ وہ پولیٹیکل سائنس میں ماسٹرز کر رہی تھی اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔ میں جانتا تھا، وہ یونیورسٹی پوائنٹ کے ذریعے گھر جاتی تھی اور میں بہت دیر تک سٹاپ سے کچھ فاصلے پر اس کا انتظار کرتا رہا پھر میں نے اسے وہاں نمودار ہوتے دیکھا تھا۔ اسے پہچاننے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ میں اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے سٹاپ کے پاس رک گیا تھا اور پھر میں نے اسے اپنی جانب متوجہ ہوتے دیکھا۔ پہلی بار اپنی مسکراہٹ کے جواب میں، میں نے اس کے ماتھے پر کچھ شکنیں دیکھی، تاہم چند لمحوں کی ہچکچاہٹ کے بعد وہ میری طرف آ گئی تھی۔

''میں ادھر سے گزر رہا تھا، آپ کو دیکھا تو گاڑی روک لی۔ آئیں، آپ کو گھر ڈراپ کر دوں۔'' میں اس کی سنجیدگی سے ذرا متاثر نہیں ہوا تھا۔

''آپ کا شکریہ لیکن بس آنے والی ہے، میں چلی جاؤں گی۔''

''پلیز آپ آجائیں۔ میں آپ کے گھر ہی کی طرف جا رہا ہوں۔'' میں نے اپنی بات پر اصرار کیا تھا۔ سٹاپ پر کھڑے سارے ہی لوگ

ہماری جانب متوجہ تھے۔

اس نے چند لمحے بہت عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ میں نے راستے میں اس سے گفتگو کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ہر بار ہوں ہاں کے علاوہ اور کچھ نہیں بولی، اس کے گھر کے دروازے کے پاس جب میں نے گاڑی روکی تو اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''اب آپ اندر آ جائیں تاکہ اس محلے کے لوگوں کو یہ پتا چل جائے کہ میں جس کی گاڑی میں آئی ہوں، اس سے میرے گھر والے واقف ہیں۔''

میں کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے اندر چلا گیا تھا۔ ''یہ یونیورسٹی کی طرف سے گزر رہے تھے، سٹاپ پر مجھے دیکھا تو گاڑی روک دی۔ آج میں انہی کے ساتھ آئی ہوں۔ امی میرے سر میں درد ہو رہا ہے، میں سونے جا رہی ہوں، مجھے دو تین گھنٹے سے پہلے نہ اٹھائیں۔''

اس نے گھر کے اندر آتے ہی چچی کو دو مختلف باتیں ایک ہی جملے اور لہجے میں بتائی تھیں اور مجھ سے مزید کچھ کہے بغیر سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مجھے اس کے بگڑے ہوئے تیوروں کا اندازہ ہو گیا تھا پھر بھی مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ مجھے اس بری طرح نظر انداز کرے گی۔ میں کھسیانا سا ہو کر دس پندرہ منٹ چچی کے پاس بیٹھا رہا اور پھر ان کے کھانے پر روکنے کے باوجود وہاں سے چلا گیا۔

میں نے دوبارہ کبھی یونیورسٹی جانے کی ہمت نہیں کی۔ میں نہیں چاہتا تھا، وہ میرے بارے میں کچھ غلط سوچے۔ وہ مجھے نظر انداز کرے یا وہ مجھے ناپسند کرے۔ میری مسکراہٹ کے جواب میں اس کے ماتھے پر شکنیں آئیں۔ اگلے کئی ہفتے میں اس سے ملنے کی ہمت نہیں کر پایا مگر وہ میرے ذہن سے معدوم نہیں ہوئی۔ وہ ہر وقت میرے پاس رہتی تھی اور رہی بھی۔

ڈیڑھ ماہ بعد...... پورے ڈیڑھ ماہ بعد میں نے اسے بڑے چچا کی بیٹی کی مہندی پر دیکھا تھا۔ مجھے نہیں معلوم باقی لوگوں کو اس تقریب میں کیا نظر آ رہا تھا مگر مجھے تو صرف وہ نظر آ رہی تھی اور میرے لیے بس اتنا ہی کافی تھا۔ اسی تقریب میں جب میرا اس کا سامنا ہوا تو اس نے مجھے بڑی گرم جوش مسکراہٹ سے نوازا تھا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے، اس کے دل میں میرے لیے کوئی میل نہیں آیا تھا۔

اسی تقریب میں وہ کھانا کھا رہی تھی، جب میں اس کے پاس گیا اور اسے ایک ضروری بات سننے کے لیے کہا۔ وہ کچھ حیرانی اور الجھن کے عالم میں میرے ساتھ آ گئی تھی۔ ایک ویران گوشے میں لے جا کر میں نے اسے کہا تھا۔

''پتا نہیں جو بات میں آپ سے کہنے والا ہوں، وہ آپ کو اچھی لگتی ہے یا نہیں مگر وہ سچ ہے۔ ہو سکتا ہے، وہ بات آپ کو نامناسب بھی لگے مگر فاطمہ...... میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' میں ایک لمحہ کے لیے رکا اور اس کے چہرے کو دیکھا۔ فق رنگت کے ساتھ وہ ہکا بکا مجھے دیکھ رہی تھی۔ شاید اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ''ہو سکتا ہے، آپ کو میری باتوں پر یقین نہ آ رہا ہو اور آپ اسے مذاق سمجھ رہی ہوں مگر فاطمہ یقین کریں، یہ سچ ہے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار کسی سے محبت کی ہے اور وہ آپ ہیں اور آپ کے سوا......''

''آپ اپنا منہ بند کر لیں۔ آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' اس نے یک دم بلند آواز سے میری بات کاٹ دی۔ وہ جیسے اپنے حواس میں

آ گئی تھی۔

''فاطمہ میرا دماغ خراب نہیں ہے، مجھے آپ سے......'' میں نے ایک بار پھر اس سے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔

''مجھے آپ کی محبت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں احتشام کی منگیتر ہوں اور چند ماہ تک ہماری شادی ہو جائے گی۔ میرے لیے بس یہی کافی ہے۔'' اس نے انگلی اٹھاتے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ میری بات ایک بار پھر کاٹتے ہوئے کہا۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا اور ہوگا تو میرے مرنے کے بعد ہی ہوگا۔'' میں اس کی بات پر جذباتی ہو گیا۔

''تو پھر مر جاؤ۔'' اس کے جواب نے مجھے مشتعل کر دیا تھا۔

''میں نے زندگی میں صرف ایک لڑکی سے محبت کی ہے اور وہ تم ہو اور تمہارا خیال ہے کہ میں تمھیں کسی اور سے منسوب ہونے دوں گا۔'' میں نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

''یہ بات اگر میں احتشام سے جا کر کہہ دوں تو وہ ابھی تمھیں شوٹ کر دے گا۔''

''اس سے پہلے میں اسے شوٹ کر دوں گا۔ وہ کیا چیز ہے، آخر، ہے ہی کیا اس میں۔''

''وہ ہر لحاظ سے تم سے بہتر ہے۔ تم تو اس کے پاؤں کے جوتوں کے برابر بھی نہیں۔'' میں نے زندگی میں پہلی بار کسی کے منہ سے اپنے لیے اتنے انسلٹنگ ریمارکس سنے تھے اور وہ بھی اس سے جس سے مجھے سب سے زیادہ محبت تھی۔

''تمہاری شادی اگر کسی سے ہوگی تو مجھ سے ہوگی فاطمہ۔ یہ بات لکھ لو، چاہے تمہاری خوشی سے ہو یا زبردستی۔''

''اور اس سے پہلے میں خودکشی کر لوں گی۔'' وہ غرائی تھی اور پھر تیزی سے وہاں سے جانے لگی تھی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ ''اور میں تمھیں مرنے تو کبھی نہیں دوں گا۔'' وہ جیسے میری حرکت پر شاکڈ ہو گئی تھی۔

''میں تمہارے منہ پر تھپڑ مارنا نہیں چاہتی اس لیے ہاتھ چھوڑ دو۔''

''میں لڑکیوں سے تھپڑ کھانا پسند نہیں کرتا۔'' میں نے اس کے غصے سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

اس نے ہونٹ بھینچتے ہوئے اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے بڑی مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑے رکھا۔ میں توقع کر رہا تھا کہ شاید وہ مجھے تھپڑ مارنے کی کوشش کرے اور میں اس کو روکنے کے لیے بھی تیار تھا مگر اس نے جو حرکت کی، اس نے مجھے حواس باختہ کر دیا تھا۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں ناکام رہنے کے بعد اس نے چند لمحے میرے چہرے پر نظریں جمائے رکھی تھیں اور پھر بڑے اطمینان سے اپنا وہ ہاتھ منہ کے پاس لے گئی جو میں نے پکڑا ہوا تھا۔ اس نے میری ہتھیلی کی پشت میں اپنے دانت گاڑ دیے تھے اور دانت اس نے اس زور سے اور اتنے اچانک گاڑے تھے کہ میں نے یک دم اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''تم میری توقع سے زیادہ ذلیل ہو۔'' وہ کہتے ہوئے تیزی سے اندر چلی گئی تھی۔

میں نے ہتھیلی کی پشت پر دیکھا، وہاں اس کے دانتوں کے نشانات پر خون کے ننھے ننھے قطرے جھلملا رہے تھے۔ آپ کو حیرت ہوگی لیکن

یہ سچ ہے کہ مجھے اس کی اس حرکت پر غصہ نہیں آیا بلکہ شاک لگا تھا۔ کیا وہ واقعی مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہے کہ اس نے مجھے زخمی کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ اس سوچ نے مجھے گم صم کر دیا تھا۔ میں اسی خاموشی کے عالم میں وہاں سے واپس اپنے گھر آ گیا تھا۔

اس شادی کے ہنگامے سے فرصت پانے کے بعد میرے گھر میں ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔ میں نے اپنی امی پر فاطمہ کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا اور ان سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ میرا رشتہ لے کر اس کے گھر جائیں۔ میرے والدین کو اس بات پر شاک لگا تھا۔ امی ان دنوں میرے لیے لڑکی تلاش کر رہی تھیں اور یہ کام میں نے خود ان کے سپرد کیا تھا اور اب اچانک میں نے ان کے سامنے ایک ایسی لڑکی پیش کر دی تھی جسے نہ صرف وہ لوگ ناپسند کرتے تھے بلکہ وہ منگنی شدہ بھی تھی۔ ان دونوں نے مجھے سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی مگر میری ضد ختم نہیں ہوئی تھی۔

''اگر مجھے شادی کرنی ہے تو صرف فاطمہ سے، اس کے سوا کسی اور سے نہیں اگر آپ لوگوں نے میری بات نہ مانی تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔'' میں نے انہیں دوٹوک انداز میں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔

میری امی میری بات پر رونے لگی تھیں۔ ''تمہیں وہ پسند تھی تو پہلے بتاتے، میں اختشام سے اس کی منگنی ہونے سے پہلے تمہارا رشتہ لے کر جاتی مگر اب تو......''

''منگنی ہوئی ہے۔ شادی تو نہیں ہوئی اور منگنیاں ٹوٹتی رہتی ہیں۔ آپ ان سے کہئے گا کہ وہ اس رشتے کے لیے جو چاہیں مطالبہ کریں، میں پورا کروں گا۔'' میں نے جیسے اعلان کیا تھا۔

''تمہارا بیٹا پاگل ہو گیا ہے۔ کیا میرا بھائی اپنی بیٹی بیچ دے گا اس طرح۔ رشتہ کسی سے طے کرے، شادی کسی اور سے کرے۔ میں کس طرح اپنے بھائی سے جا کر یہ بات کہوں۔'' میرے ابو کو شاید زندگی میں پہلی بار غصہ آیا تھا۔

''اگر آپ میری بات نہیں مانیں گے تو میں اختشام کو گولی مار دوں گا مگر اس کی شادی فاطمہ سے نہیں ہونے دوں گا۔'' میری بات سے زیادہ شاید میرے لہجے نے میرے والدین کو خوف زدہ کر دیا تھا۔ میں کچھ اور کہے بغیر گھر سے نکل گیا۔

اگلے چند دن تک گھر میں کوئی کھچڑی پکتی رہی اور پھر ایک شام میرے والدین فاطمہ کے گھر چلے گئے۔ میں خود گھر پر ہی تھا۔ پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ بعض اوقات وقت بھی رک جاتا ہے جیسے اس شام رک گیا تھا۔ میں نے آج تک اتنی لمبی شام نہیں گزاری۔

وہ لوگ تقریباً چار گھنٹے کے بعد وہاں سے واپس آ گئے تھے اور ان کے چہرے دیکھتے ہی میں سب کچھ جان گیا تھا۔ مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔

''وہ لوگ کسی طرح بھی ہماری بات ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ وہ چند ہفتوں تک ان دونوں کی شادی کی تاریخ طے کر رہے ہیں۔'' امی نے پھر بھی جیسے مجھے سب کچھ بتانا ضروری سمجھا۔

میں مشتعل ہو کر ان پر چڑھ دوڑا۔ ''آپ لوگ چاہتے ہی نہیں کہ میری شادی اس سے ہو اگر آپ لوگوں نے کوشش کی ہوتی تو وہ آپ کی بات کیوں نہ مانتے۔ آخر ابو بڑے بھائی ہیں۔ ہر کام تو وہ ان کے مشورے سے کرتے ہیں پھر اب انھوں نے کیوں انکار کر دیا ہے۔''

''ہاں بڑا بھائی ہوں، میں مگر آخر میں کس طرح اس بے ہودہ بات پر اصرار کرتا۔ جو کہہ سکتا تھا، وہ میں نے کہا۔ تمھارے چچا کہہ رہے ہیں، فاطمہ کے علاوہ جس بیٹی سے چاہو، وہ تمہاری شادی کر سکتے ہیں مگر ایک بار اس کی نسبت طے ہو جانے کے بعد وہ کچھ نہیں کر سکتے۔''

''مجھے کسی اور بیٹی کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صرف فاطمہ سے ہی شادی کرنا ہے، صرف فاطمہ سے!'' میں ان کی بات پر چلایا تھا۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔ تمھیں بتایا ہے نا، چند ہفتوں تک وہ اس کی شادی کی تاریخ طے کر رہے ہیں۔''

''دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا، سب کچھ ہو سکتا ہے۔ آپ نے میری مدد نہیں کی، ٹھیک ہے اب مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔'' مجھے واقعی اپنے والدین سے بہت مایوسی ہوئی تھی۔

امی اٹھ کر میرے پیچھے میرے کمرے میں آ گئی تھیں اور پتا نہیں کتنی دیر مجھے سمجھاتی رہی تھیں کہ میں کوئی الٹا سیدھا کام نہ کروں۔ دنیا میں فاطمہ سے زیادہ اچھی لڑکیاں ہیں اور وہ فاطمہ سے بھی بہتر لڑکی میرے لیے لائیں گی۔ میں ان کی ہر بات سنی اَن سنی کرتا رہا اور اپنے اعصاب پر قابو پاتا رہا۔ جب وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو کر چلی گئیں کہ شاید ان کی باتوں نے مجھ پر کوئی اثر کیا ہے تو میں سونے کے لیے لیٹ گیا۔

✡......✪......✡

میں فاطمہ سے آخری بار بات کرنے کے لیے چار پانچ دن کے بعد اس کے ڈیپارٹمنٹ پہنچ گیا۔ مجھے وہاں دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی اور پھر چند لمحوں کے اندر اندر اس کے چہرے کا رنگ بھی سرخ ہو گیا مگر مجھے اس کی حیرت کی پروا تھی نہ غصے کی۔ میں نے اس کے قریب جا کر بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

''میں جانتا ہوں، مجھے یہاں دیکھ کر تمھیں بہت غصہ آ رہا ہو گا مگر مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے اس لیے یہاں آنا پڑا۔'' اس نے جواب میں کچھ تلملا کر کہا۔

''یہ وہی ضروری بات ہو گی جس کا جواب تمھارے ہاتھ پر ہے۔'' مجھے اس کی بات پر بے اختیار ہنسی آ ئی۔ اس کا اشارہ دانتوں کے نشان کی طرف تھا۔ میری ہنسی نے اسے کچھ اور برہم کیا مگر شاید میرے انداز میں کوئی ایسی بات تھی کہ وہ اس دن ایک بار پھر میری بات سننے پر تیار ہو گئی۔ شاید اس نے سوچا ہو گا کہ اگر وہ مجھ سے اس طرح جان چھڑا سکتی ہے تو کیوں نہ چھڑوا لے اور واقعی میں اس دن کے بعد اس سے دوبارہ نہ ملنے کا طے کر کے گیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ میرے اور اس کے درمیان ہونے والی وہ آخری گفتگو تھی مگر تقدیر ہمارے لیے کچھ اور طے کر کے بیٹھی تھی۔ خیر میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ میں اسے یونیورسٹی کے لان میں لے گیا اور وہاں میں نے ایک بار پھر اسے اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش کی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اس کے لیے کیا کیا کر سکتا ہوں اور میں نے اسے یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی کہ احتشام کے ساتھ شادی اس کے لیے کتنی بیکار ہے۔ یقین جانیں، جتنی نرمی، محبت اور خلوص کے ساتھ میں اسے سمجھا سکتا تھا، میں نے اسے سمجھایا مگر پتا نہیں اس کے دل میں میرے لیے اتنی نفرت کیوں بھری ہوئی تھی کہ وہ میری کوئی بات ٹھیک سے سننے پر تیار تھی، نہ سمجھنے پر۔ اس کے دل و دماغ پر تو وہ خبیث اور ذلیل...... احتشام...... خیر چھوڑیں، اب اتنے عرصے کے بعد اسے گالیاں دینے کا کیا فائدہ مگر آپ تو جانتے ہی ہیں، رقیب سے نفرت کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔ بہرحال اس دن میری باتوں کے جواب میں اس نے میرے لیے کچھ ایسے لفظ استعمال کیے جنھوں نے نہ صرف میری ناراضگی اور برہمی میں اضافہ کیا بلکہ میرے ارادے کو کچھ اور پختہ کر دیا۔ ارادہ کیا تھا، وہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ جب مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ میری کوئی دلیل، کوئی بات اس پر اثر انداز نہیں ہو پائے گی تو پھر میں اس سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ اب دوبارہ اسے مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہو گی، نہ ہی ہم دوبارہ اس موضوع پر بات کریں گے۔

آپ یقیناً میری اس بات پر حیران ہو رہے ہوں گے کہ کہاں تو اس کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا تھا اور کہاں صرف بات کرنے کے بعد میں نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا۔ نہیں میں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا مگر اس سے یہ کہنا اس لیے ضروری تھا کہ وہ میری طرف سے بالکل مطمئن ہو جائے کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بعد میں جو قدم اٹھانے والا تھا، اس کے بارے میں فوری طور پر سب کی توجہ مجھ پر مرکوز ہو جائے۔ اس لیے میں نے نہ صرف فاطمہ کو یہ یقین دلایا کہ اب میں نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا ہے بلکہ اپنی امی اور ابو کو فاطمہ کے گھر دوبارہ بھیجا تاکہ وہ معذرت کر کے فاطمہ کے گھر والوں پر یہ جتا دیں کہ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ ہیں۔

سب کچھ میری حسب توقع ہی ہوا۔ فاطمہ کے گھر والے نہ صرف میرے والدین کی معذرت پر بے حد مطمئن ہو گئے بلکہ انھوں نے

نہایت خوش دلی سے انھیں معاف بھی کر دیا۔ چچا نے یقیناً یہ سوچا ہوگا کہ بڑے بھائی کے ساتھ ان کے تعلقات ختم ہونے سے بچ گئے ہیں اور جس خلش کا وہ شکار ہوئے ہوں گے، یقیناً وہ خلش بھی دور ہو گئی تھی۔

میرے ماں باپ کو اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ میں اتنا اعلیٰ ظرف کیسے ہو گیا کہ انھیں چچا اور چچی سے معذرت کے لیے کہہ رہا ہوں مگر پھر انھوں نے سوچا ہوگا کہ شاید ان کی کوئی نیکی ان کے کام آ رہی ہے اور میں اپنی ضد چھوڑ رہا ہوں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں، والدین ایسے معاملات میں ہمیشہ اسی طرح سوچتے ہیں مگر میں نے اپنی ضد چھوڑی تھی اور نہ ہی میں اتنا اعلیٰ ظرف ہو گیا تھا کہ اپنے ایک ایسے کام کے لیے معافیاں تلافیاں شروع کر دیتا جسے میں سرے سے غلط سمجھتا ہی نہیں تھا۔

زندگی میں بعض فیصلے ہم سوچ سمجھ کر کرتے ہیں، بعض بغیر سوچے سمجھے۔ جو فیصلے سوچ سمجھ کر کرتے ہیں، وہ دماغ سے کرتے ہیں، جو بغیر سوچے سمجھے کرتے ہیں، وہ دل سے کرتے ہیں اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ بعض دل سے کیے جانے والے فیصلے ہمیں اس قابل کر دیتے ہیں کہ ہم دوسروں کا دل اور دماغ دونوں جیت لیں تو کیا آپ میری اس بات پر یقین کریں گے۔ شاید نہیں، بہرحال اس رات میں نے بھی بغیر سوچے سمجھے صرف دل کے کہنے میں آ کر ایک فیصلہ کیا تھا اور اس فیصلے نے۔ خیر...... بہتر ہے، میں آپ کو بتا دوں کہ میں نے فاطمہ کو اغواء کروانے کا فیصلہ کیا تھا۔

آپ میں سے جو میری طرح جذباتی ہوں گے، وہ اس وقت مجھے گالیاں دے رہے ہوں گے، خاص طور پر لڑکیاں مگر اتنے غصے اور جوش میں آنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ پہلے میرا نقطہ نظر تو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں جانتا ہوں، اغوا کوئی اچھا قدم نہیں تھا، خاص طور پر کسی لڑکی کا اغوا اور وہ بھی اس صورت میں جب وہ لڑکی خاندان کی ہو تو یہ اور بھی معیوب بات ہے مگر اس وقت میں بس غصے میں تھا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اتنی شدت سے کسی چیز کی خواہش کی تھی مگر وہ چیز مجھے ملنے کے بجائے کسی اور کا مقدر بن جانا چاہتی تھی اور یہ میری برداشت سے باہر تھا۔ اگر فاطمہ میری نہیں ہو سکتی تھی تو پھر اسے احتشام کا بھی نہیں ہونا چاہیے تھا اور اگر اسے احتشام کا مقدر بننا ہی تھا تو بھی میں چاہتا تھا کہ احتشام کو یہ احساس نہ ہو کہ اسے خاندان کی سب سے اچھی لڑکی کا ساتھ نصیب ہو رہا ہے۔ اس لڑکی کا جس نے اس کے لیے مجھے ٹھکرا دیا تھا۔ میں چاہتا تھا، فاطمہ سے شادی ہونے کی صورت میں بھی وہ کبھی کوئی فخر محسوس نہ کر سکے۔ جب کوئی میری طرح ٹھکرایا جاتا ہے تو پھر وہ اسی طرح کے حسد کا شکار ہوتا ہے، سو اس رات میں نے یہ طے کیا تھا کہ میں فاطمہ کو ایک آخری موقع دوں گا اس سے بات کروں گا اور اگر اب بھی اس نے میری آفر قبول نہ کی تو پھر میں فاطمہ کو اغوا کروا لوں گا۔ چند دن تک بحفاظت اسے کہیں رکھوں گا اور پھر رہا کر دوں گا اور یہ چند دن جو وہ باہر گزار کر آئے گی، یہ اس کے لیے خاندان میں اچھی خاصی رسوائی اور بدنامی کا باعث بنیں گے اور پھر احتشام اس سے شادی نہیں کرے گا۔ اگر مجبور ہو کر اس نے کر بھی لی تو یہ ایک مجبوری کا سودا ہی ہوگا اور پھر رسوائی صرف فاطمہ ہی کے لیے نہیں بلکہ احتشام کے لیے بھی ہوگی۔ آپ خود سوچیں ایک اغوا شدہ لڑکی سے شادی ہمارے معاشرے میں کسی بھی مرد کے لیے کتنی بڑی ذلت ہے اور میں اس ذلت سے احتشام کو دوچار کرنا چاہتا تھا۔

چند دن گزرنے کے بعد میں نے فاطمہ سے بات کی اور میں نے آپ کو بتایا نا کہ اس نے انتہائی غیر مہذب الفاظ میں میری آفر ٹھکرا دی۔ مجھے اس سے یہی امید تھی اس لیے میں بالکل مایوس نہیں ہوا۔ اس دن میں یونیورسٹی میں فاطمہ سے ملنے کے بعد واپس گھر آیا، نہ ہی فیکٹری گیا بلکہ اپنے

کچھ ''دوستوں'' کے پاس چلا گیا۔

میں ایک بہت سی سیدھی سادی زندگی گزارنے والا انسان تھا۔ میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھے زندگی میں کبھی اس طرح کوئی کام کرنا یا کروانا پڑے گا مگر سوچنے سے کیا ہوتا ہے، آپ تو جانتے ہی ہیں کہ بلنڈر بغیر سوچے سمجھے ہوتے ہیں۔

میرا حلقہ احباب بھی بہت وسیع تھا، اس میں ہر کیٹگری کے لوگ تھے۔ بہت اچھے...... برے اور بہت برے لیکن میرے لیے سب دوست تھے اور جب کوئی آپ کا دوست ہو تو ہم اس کی بہت سی خامیاں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بہت سے عیبوں سے نظر چراتے رہتے ہیں۔ میں بھی یہی کرتا تھا۔ دوست بناتے ہوئے میرے نزدیک واحد معیار یہ ہوتا تھا کہ وہ کتنا اثر ورسوخ اور دولت والا ہے۔ باقی چیزیں میرا مطلب ہے، کردار وغیرہ میرے نزدیک بہت ثانوی حیثیت رکھتے تھے۔ میرے دوستوں میں کچھ لوگ جرائم پیشہ بھی تھے۔ نہیں...... نہیں انھوں نے کوئی بہت بڑے بڑے جرم نہیں کیے تھے۔ بس شوقیہ چھوٹے موٹے جرائم کرتے رہتے تھے۔ مثلاً لڑکیوں سے پرس چھین لینا، کسی سے گاڑی چھین لینا یا پھر ڈیپارٹمنٹ اسٹورز سے مہنگی چیزیں پار کر لینا۔ میں ان سب کے کارناموں سے واقف تھا اور ہم اکثر ان حرکتوں کا ذکر کر کے ہنستے تھے۔ میں ان حرکتوں کو پسند نہیں کرتا تھا مگر میں نے کبھی اپنے دوستوں کو ان باتوں سے منع بھی نہیں کیا تھا کیونکہ میرے خیال میں یہ ان کا ذاتی فعل تھا اور مجھے مداخلت کا حق نہیں تھا۔

شجاع بھی میرے کچھ ایسے ہی دوستوں میں شامل تھا جو ایسی سرگرمیوں میں انوالو تھا۔ میری اس کے ساتھ بہت گہری اور بہت پرانی دوستی تھی۔ وہ بنیادی طور پر ایک جاگیردار کا بیٹا تھا مگر تعلیم حاصل کرنے کے لیے شہر بھیجے جانے کے بعد مستقل یہیں کا ہو گیا تھا۔ تعلیم تو اس نے خیر کیا حاصل کرنی تھی مگر ''علم'' کافی حاصل کیا، بدلتی دنیا کے نئے طور طریقوں کا۔ تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ میں نے شجاع کا ''ہنر اور علم'' آزمانے کا فیصلہ کیا اور اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے میری بات بڑے تحمل اور سکون سے سنی۔

''تم اپنی کزن کو اغوا کروانا چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ دو تین دن کے بعد اسے بحفاظت واپس چھوڑ دیا جائے مگر اس سے تمھیں کیا ملے گا؟ کیا تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟'' وہ میری بات سننے کے بعد کچھ الجھ گیا۔

''نہیں، میں اب اس سے شادی کرنا نہیں چاہتا۔ بس تم مجھ سے زیادہ سوال جواب مت کرو۔ صرف یہ بتاؤ کہ تم میری مدد کر سکتے ہو یا نہیں؟''

''ایک لڑکی کا اغوا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے مگر اس کا کچھ فائدہ بھی تو ہو۔''

''فائدہ اور نقصان تمہارا نہیں، میرا مسئلہ ہے۔'' میں کچھ چڑ گیا۔

''ٹھیک ہے یار، جو تم چاہو گے، وہی ہو گا، اب ناراض تو مت ہو'' اس نے مجھے بہلانے کی کوشش کی۔

''اور شجاع، یہ بات یاد رکھنا کہ اسے کچھ ہونا نہیں چاہیے اگر اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی......'' شجاع نے میری بات کاٹ دی۔

''تمھیں دوبارہ یہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمھارے خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو ظاہر ہے، میرے لیے بھی قابل احترام ہے۔''

''میں اس کی بات پر مطمئن ہو گیا۔ آپ بھی حیران ہو رہے ہوں گے کہ ایک طرف تو میں اس کے اغوا کا منصوبہ بنا رہا تھا اور دوسری طرف اس کی سلامتی کے لیے فکر مند تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں فاطمہ کے لیے اپنے دل میں بہت سی رنجشیں رکھتا تھا، یہ بھی ٹھیک ہے کہ میں چاہتا تھا، وہ خاندان میں رسوا......اور بدنام ہو جائے مگر میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے خاندان کی کوئی لڑکی کسی اور طرح کی ذلت کا شکار ہو اور وہ بھی میرے ہی ایک دوست کے ہاتھوں......اور پھر......شاید میں یہ اس لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ لڑکی فاطمہ تھی جس سے میں نے محبت......خیر اس ذکر کو چھوڑیں۔

میں نے شجاع سے کہا کہ وہ اگلے کچھ دنوں میں فاطمہ کی روٹین معلوم کرے، وہ کتنے بجے یونیورسٹی جاتی ہے، کس روٹ سے جاتی ہے اور اسی طرح اس کی واپسی کے بارے میں بھی۔ فاطمہ کے بارے میں کچھ ضروری تفصیلات میں نے اسے بتا دی تھیں اور کزن کی شادی پر کھینچی جانے والی اس کی ایک تصویر بھی اسے دے دی تھی۔

شجاع نے اگلے کچھ دنوں میں پورا پلان ورک آؤٹ کر کے مجھے دے دیا مگر میں فوری طور پر ابھی اس کا اغوا نہیں چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا، کچھ دن اور گزر جائیں۔ میرے پرپوزل والا ایشو اچھی طرح دب جائے پھر میں اپنے پلان پر عمل کروں۔

کچھ عرصہ اسی طرح گزرا اور پھر اچانک مجھے پتا چلا کہ احتشام اور فاطمہ کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے۔ اب مجھے جو کچھ کرنا تھا، وہ اس سے پہلے پہلے کرنا تھا کیونکہ ایک بار فاطمہ گھر بیٹھ جاتی تو ہمارا سارا پلان خراب ہو جاتا۔

جس دن اس منصوبے پر عمل ہونا تھا، اس دن میں نے ایک ریسٹورنٹ میں اپنے چند دوستوں کو چھوٹی سی پارٹی دی تھی اور یہ پارٹی ٹھیک اس وقت تھی، جب فاطمہ کو اغوا کیا جا رہا تھا۔ میں بہت محتاط تھا۔ کسی قسم کے شک وشبے سے بچنے کے لیے یہ اقدام ضروری تھا کیونکہ اگر پولیس تحقیق شروع کرتی تو پھر ہو سکتا ہے، مجھ پر شبے کا اظہار کیا جاتا اور اس وقت میری کوئی ایسی مصروفیت ضروری تھی جہاں زیادہ سے زیادہ لوگ مجھے دیکھتے اور بعد میں میرے حق میں گواہی دے سکتے۔

پارٹی میں شامل کسی بھی دوست کو فاطمہ کے اغوا کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ دراصل وہ فاطمہ کے اغوا کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے تھے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ مجھے کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی اور جب ہوئی تو میں نے اسے ممکنہ حد تک اپنے دوستوں سے چھپا کر رکھنے کی کوشش کی۔ پوری پارٹی کے دوران میں نہ چاہتے ہوئے بھی بے حد نروس تھا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ جہاں مجھے ایک طرف یہ فکر تھی کہ پتا نہیں منصوبے پر ٹھیک طرح سے عمل ہوتا ہے یا نہیں، وہاں یہ بھی پریشانی تھی کہ فاطمہ بخیریت ہو حالانکہ میں بار بار شجاع سے کہہ چکا تھا پھر بھی مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ کر بیٹھے۔

پارٹی چار بجے ختم ہوئی اور پارٹی ختم ہونے کے بعد میں گھر چلا آیا مگر اس سے پہلے میں ایک پی سی او سے شجاع کو فون کر چکا تھا۔ اس نے مجھے اطلاع دی کہ منصوبہ پوری طرح سے کامیاب ہوا ہے اور وہ فاطمہ کو اغوا کر چکا ہے۔ فاطمہ کو اغوا کرنے کے بعد وہ اپنے ایک بنگلے میں لے آیا تھا اور چوری کی وہ گاڑی جس پر فاطمہ کا اغوا ہوا تھا وہ بھی شہر کے ایک بارونق علاقے میں چھوڑی جا چکی تھی۔ میں نے ایک بار پھر شجاع کو ہدایت کی کہ

فاطمہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ وہ ابھی بے ہوش تھی اور میں اس لیے بھی زیادہ فکر مند تھا۔

''یار، تمھیں ایک بار میری بات پر اعتبار کر لینا چاہیے۔ میں قول کا اتنا کچا نہیں ہوں۔'' شجاع نے ایک بار پھر مجھے دلاسا دیا۔ میں اسے کچھ اور ہدایات دے کر گھر چلا آیا۔

''تمھارے ابو کو تمھارے سب سے چھوٹے چچا نے کچھ دیر پہلے فون کیا تھا، وہ کافی پریشانی میں گئے ہیں۔'' امی نے گھر پہنچتے ہی مجھے اطلاع دی۔ میں بے اختیار کچھ نروس ہو گیا۔

''کیوں سب خیریت تو ہے نا وہاں؟ کوئی بیمار تو نہیں ہے؟'' میں نے بڑی بے نیازی سے پوچھا۔

''یہ تو مجھے نہیں پتا۔''

''تو آپ فون کر کے پوچھ لیتیں۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''میں نے فون کیا تھا مگر تمھارے ابو نے کچھ بتانے کے بجائے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ جب تم گھر آؤ تو تمھیں بھی چچا کے گھر بھیج دوں۔'' میرا دل امی کی بات پر ایک دم دھڑک اٹھا مگر بظاہر نارمل نظر آتے ہوئے میں نے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ میں چلا جاتا ہوں، پتا نہیں کیا بات ہے؟ کوئی جھگڑا نہ ہو گیا ہو۔'' میں نے کہا۔

''تم وہاں جا کر فون کر کے مجھے بتانا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ اتنی پُر اسراریت کیوں برتی جا رہی ہے؟'' امی نے پُر تجسس انداز میں کہا، میں سر ہلاتا ہوا باہر آ گیا۔

گاڑی کو حتی المقدور آہستہ اسپیڈ سے چلاتے ہوئے میں نے آدھے گھنٹے کا راستہ ایک گھنٹے میں طے کیا اور حویلی پہنچ گیا۔ گیٹ پر پولیس کی ایک موبائل کھڑی تھی۔ میرے دل کی دھڑکن یک دم اور تیز ہو گئی۔ چند لمحے میں خود کو نارمل کرتا رہا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے چہرے پر کوئی ایسے تاثرات ہوں جن سے مجھ پر شبہ ہو سکے کیونکہ اندر نہ صرف مجھے پورے خاندان کا سامنا کرنا تھا بلکہ پولیس والوں کے سامنے بھی جانا تھا اور ان کی نظروں کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی سب سے پہلے میرا جس سے سامنا ہوا تھا، وہ احتشام تھا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ میں نے بہت نارمل نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے اس سے علیک سلیک کی۔

''ابو نے کہا تھا کہ میں فوراً یہاں پہنچ جاؤں۔ سب خیریت تو ہے نا۔ باہر موبائل بھی کھڑی ہے۔ کسی کا جھگڑا تو نہیں ہو گیا؟'' میں نے سلام کرتے ہی اس سے پوچھنا شروع کر دیا۔

''فاطمہ کو یونیورسٹی سے کسی نے اغوا کر لیا ہے۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا؟'' میں یک دم چلایا۔ ہر ڈرامے اور فلم میں شدید حیرت کا اظہار اسی طرح کیا جاتا ہے۔ ''کیا کہہ رہے ہو احتشام۔'' میں نے اپنے چہرے پر شاک کی کیفیت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''میں سچ بتا رہا ہوں۔''

''لیکن یہ ہوا کیسے؟''

''یونیورسٹی سے پہلے فون آیا پھر انھوں نے ہی ایف آئی آر لکھوا دی، ہمیں تو انہی لوگوں سے پتا چلا ہے سب کچھ۔''

''مگر فاطمہ کو کون اغوا کر سکتا ہے؟ کیا چچا کی کسی کے ساتھ دشمنی تھی؟''

''نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے اسی لیے تو ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کسی نے فاطمہ کو کیوں اغوا کیا ہے، وہ ایسی لڑکی نہیں ہے کہ......''

''ہو سکتا ہے، اسے کسی اور لڑکی کی غلط فہمی میں اغوا کیا گیا ہو۔'' میں نے فوراً اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''اگر ایسا ہوتا تو بھی اب تک وہ لوگ اسے چھوڑ چکے ہوتے مگر وہ اب تک گھر نہیں آئی۔'' وہ بے حد پریشان نظر آ رہا تھا اور اس کی پریشانی سے مجھے بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ اگر وہ فاطمہ کی زندگی میں نہ آیا ہوتا تو فاطمہ کو اس پریشانی سے گزرنا پڑتا، نہ ہی مجھے یہ قدم اٹھانا پڑتا۔ یہ سب احتشام کی وجہ سے ہوا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہوئے سارا الزام اس کے سر رکھ دیا۔

پھر اسی کے ساتھ میں اندر گیا۔ بڑے چچا کے ڈرائنگ روم میں خاندان کے سارے مردوں کے ساتھ چند پولیس والے بھی موجود تھے۔ میں حتیٰ المقدور پرسکون چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا مگر چہرے پر کچھ رنجیدگی کے تاثرات ضرور تھے۔ خاصی گہری نظروں سے میرا جائزہ لیا گیا تھا پھر ابو میری طرف لپکے تھے۔

''یہ سب کیا ہوا ہے ابو، احتشام مجھے بتا رہا تھا کہ......'' ابو نے میری بات کاٹ دی۔

''ہاں فاطمہ کو اغوا کر لیا گیا ہے اور ابھی تک اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔ تم کہاں تھے، میں نے اتنی دیر کا پیغام چھوڑا ہوا ہے، تمھارے لیے۔''

''ابو، میں کچھ دوستوں کے ساتھ ہوٹل میں لنچ کر رہا تھا۔ ابھی گھر پہنچا تو امی نے ادھر بھیج دیا۔'' میں نے انھیں بتایا۔

وہ مجھے ساتھ لیے چھوٹے چچا کے پاس چلے گئے جو صوفے پر بیٹھے نڈھال نظر آ رہے تھے۔ میں بھی ان کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر میں نے انھیں تسلی دینی شروع کی۔

''چھوٹے چچا، آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ فاطمہ کو کچھ نہیں ہوگا۔ وہ مل جائے گی۔ ہو سکتا ہے، اسے کسی دوسری لڑکی کے دھوکے میں اغوا کر لیا گیا ہو ورنہ فاطمہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔'' میری باتوں سے ان کی رنجیدگی میں اضافہ ہو گیا تھا مگر انھوں نے سر ہلا دیا۔ میں پولیس والوں کی نظروں کو مسلسل خود پر محسوس کر رہا تھا مگر مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ پولیس والے ایسے موقع پر ہر ایک کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

''یہ کون ہیں؟'' ایک پولیس والے نے میرے بارے میں استفسار کیا۔

''یہ میرے سب سے بڑے بھائی کا اکلوتا بیٹا ہے۔'' چھوٹے چچا نے پھیکے لہجے میں کہا۔

''اچھا، کیا کرتے ہیں؟'' اس بار عقابی نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا گیا۔

میں نے مختصراً اپنا تعارف کروایا۔

''اس وقت آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟''

''دوستوں کے ساتھ ایک ہوٹل میں لنچ تھا، وہاں سے گھر آیا تو ابو کا پیغام ملا کہ یہاں آ جاؤں۔'' میری بات پر چھوٹے چچا نے مداخلت کی۔

''آپ اظفر سے اس طرح چھان بین کیوں کر رہے ہیں، یہ تو میرے بیٹے جیسا ہے۔''

''نہیں چھوٹے چچا، کوئی بات نہیں، ان کا کام ہی تفتیش کرنا ہے، انہیں اپنا کام کرنے دیں۔'' میں نے بڑی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پولیس انسپکٹر کو اپنا کام جاری رکھنے کے لیے کہا۔ اس نے مجھ سے چند اور سوال کیے اور اس کے بعد باقی پولیس والوں کے ساتھ اٹھ کر چلا گیا۔

جوں جوں اندھیرا چھا رہا تھا حویلی میں ایک سوگ کی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ اگر فاطمہ کو میں نے اغوا نہ کیا ہوتا تو شاید اس وقت میں بھی ان لوگوں کے دکھ کو محسوس کرتے ہوئے اتنی ہی تکلیف کا شکار ہوتا مگر اب اس کو اغوا کرنے کے بعد میں جانتا تھا کہ وہ میرے پاس ہے اس لیے میں مصنوعی پریشانی کے تاثرات لیے چچا اور ان کے گھر والوں کو تسلیاں دیتا رہا۔ میری امی بھی وہاں آ چکی تھیں بلکہ پورا خاندان ہی وہاں جمع تھا۔ لوگ طرح طرح کے مشورے دے رہے تھے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں، ایسے موقع پر لوگوں کو اپنے دل کا غبار نکالنے کا اچھا موقع مل جاتا ہے۔ لوگوں کو مسئلے کے حل میں اتنی دلچسپی نہیں ہوتی جتنی مشورہ دینے میں۔ وہاں موجود سب لوگ بھی یہی کرنے میں مصروف تھے اور میں بڑے اطمینان سے وہاں موجود لوگوں کے تاثرات سے ان کے دلوں کا حال جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

رات گئے میں اپنے والدین کے ساتھ واپس گھر آ گیا۔ گھر آنے کے بعد میں نے نہ تو شجاع کو فون کرنے کی کوشش کی، نہ ہی اس کے پاس جانے کی کوشش کی۔ یہ دونوں چیزیں میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھیں کیونکہ ہو سکتا تھا، پولیس نے مجھ پر نظر رکھی ہوئی ہوتی اور میرا فون ٹیپ ہو رہا ہوتا یا میرا پیچھا کیا جاتا اس لیے میں اطمینان کے ساتھ گھر پر ہی رہا مگر رات کو میں کچھ بے چین ضرور تھا۔

اگلے دن صبح ہی صبح میں نے ایک پی سی او سے شجاع کو فون کیا اور اس سے فاطمہ کے بارے میں پوچھا۔

''یار، تمہاری کزن عجیب لڑکی ہے۔ نہ اس نے کوئی رونا دھونا مچایا ہے، نہ ہی کوئی ہنگامہ کھڑا کیا ہے، بس خاموش ہے۔ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ میں نے کس کے کہنے پر اسے اغوا کیا ہے۔ میرے نہ بتانے پر اس نے پوچھنے پر اصرار نہیں کیا۔'' وہ مجھے فاطمہ کے بارے میں بتا رہا تھا۔ میں جانتا تھا، وہ ایسی ہی لڑکی ہے مگر شجاع یہ نہیں جانتا تھا۔ اسے فاطمہ کے بارے میں کچھ اور ہدایات دے کر میں واپس گھر آ گیا۔

گھر پر ابو بے حد پریشان تھے۔ بھائیوں سے ان کے تعلقات پہلے جیسے نہ سہی مگر بہر حال نواز چچا ان کے بھائی تھے اور فاطمہ ان کی بھتیجی ان کی پریشانی فطری تھی۔ میری امی بے حد مطمئن تھیں بلکہ شاید شکر کر رہی تھیں کہ فاطمہ سے میری نسبت طے نہیں ہوئی تھی ورنہ شاید آج ہم لوگ بھی اسی پریشانی سے گزر رہے ہوتے۔ اب یہ انہیں کون بتاتا کہ اگر فاطمہ کی نسبت مجھ سے طے ہو جاتی تو پھر فاطمہ کے اغوا کی نوبت ہی نہیں آتی۔

وہ سارا دن بھی میں نے حویلی میں ہی گزارا۔ احتشام کے گھر جانے سے پہلے میں اپنے ایک دوست کے گھر چلا گیا۔ وہ میرے اس کارنامے سے واقف نہیں تھا۔ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کے فون کو استعمال کرتے ہوئے شجاع سے بات کی اور اس سے ہونے والی گفتگو نے مجھے کچھ اضطراب میں گرفتار کر دیا۔

''یار، تمہاری کزن نے تو آج مجھے پریشان ہی کر دیا۔'' شجاع نے فون ملتے ہی کہا۔ میں کچھ بے چین ہو گیا۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''ہونا کیا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں جانتی ہوں کہ مجھے کس نے اغوا کیا ہے؟'' شجاع کی بات پر ایک لمحے کے لیے میرا سانس رک گیا۔

''کیا؟'' میں نے بے اختیار کہا۔

''گھبراؤ مت، میں بھی ایسے ہی پریشان ہو گیا تھا پھر اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے میرے کزن نے اغوا کیا ہے۔'' شجاع کی اگلی بات پر میرے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا، وہ اس قدر ذہین تھی کہ مجھے بوجھ لیتی۔ مجھے اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا نظر آنے لگا تھا۔

''میں نے اس سے پوچھا، کون سے کزن نے؟ تو اس نے کہا احتشام نے؟'' شاید مجھے 440 وولٹ کا کرنٹ بھی لگتا تو مجھے اتنا شاک محسوس نہیں ہو سکتا تھا، جتنا مجھے شجاع کی اس بات سے محسوس ہوا تھا۔

''یہ احتشام کون ہے اظفر؟'' اب شجاع مجھ سے پوچھ رہا تھا۔ جبکہ میرا ذہن غوطے کھا رہا تھا کہ اس نے احتشام کا نام اس سلسلے میں کیوں لیا۔

''تمہیں یقین ہے، اس نے احتشام کا ہی نام لیا تھا؟'' میں نے کچھ بے یقینی سے پوچھا۔

''ہاں یار، مجھے کوئی دھوکا کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ کچھ برا مان گیا۔ ''اور اس نے یہ بھی فرمائش کی ہے کہ جب اسے رہا کیا جائے تو بے ہوش نہ کیا جائے بلکہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جایا جائے اب تم بتاؤ کہ اس کی بات مانی جائے یا نہیں۔'' شجاع مجھ سے پوچھ رہا تھا، جبکہ میں ابھی تک الجھا ہوا تھا اور اسی الجھن میں، میں نے اسے اجازت دے دی کہ وہ فاطمہ کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے رہا کرے۔

مگر اصل جھٹکا تو ابھی میرا منتظر تھا۔ فاطمہ کو اگلے دن دوپہر کے بعد رہا کرنا تھا اور میں اس وقت اپنے گھر چلا گیا تاکہ شجاع مجھے اس کی رہائی کی اطلاع دے سکے۔ دوپہر کے بعد شجاع نے فون پر مجھے انفارم کر دیا تھا کہ میں نے فاطمہ کو کس علاقے میں چھوڑا ہے۔ میں مطمئن ہو کر گھر سے نکلنے ہی والا تھا، جب ملازم نے مجھے کسی لڑکی کے فون کی اطلاع دی۔ میں کچھ حیران ہو کر فون کی طرف آیا کیونکہ میرے کسی لڑکی سے اتنے اچھے اور قریبی تعلقات نہیں تھے کہ وہ میرے گھر فون کرتی مگر فون پر فاطمہ کی آواز سن کر مجھے یوں لگا تھا، جیسے میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ اس سے زیادہ حیران کن بات کیا ہو سکتی تھی کہ رہا ہونے کے بعد گھر جانے کے بجائے یا گھر فون کرنے کے بجائے وہ مجھے فون کر رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''فاطمہ، تم کہاں سے بات کر رہی ہو؟''

''میں ایک پی سی او سے بات کر رہی ہوں۔'' مجھے اس نے روتے ہوئے بتایا تھا۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا مگر یہ سچ ہے کہ اس وقت اسے اس طرح روتے ہوئے بات کرنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مجھے تکلیف ہو رہی تھی حالانکہ یہ سب کچھ میرا ہی کیا دھرا تھا پھر بھی میں نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''فاطمہ دیکھو پلیز، خاموش ہو جاؤ۔ رو مت، مجھے اس پی سی او کا پتا بتاؤ، میں وہاں آ جاتا ہوں۔'' میری بات کے جواب میں اس نے جو

کہا تھا، اس نے حقیقی معنوں میں میرے وجود کو برف کی طرح سرد کر دیا تھا۔ اس نے بلند آواز میں روتے ہوئے کہا۔

''اظفر ان لوگوں نے میرے ساتھ...... میرے ساتھ بہت بدتمیزی کی ہے۔'' چند لمحوں کے لیے میں کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میری ہدایات کے باوجود شجاع...... اگر فاطمہ کو کچھ...... میں نے تقریباً چلاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''انھوں نے تمھارے ساتھ کیا کیا ہے فاطمہ؟''

''میں نہیں بتا سکتی، بس میں نہیں بتا سکتی۔ میں اب مرجانا چاہتی ہوں۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور میرا دل چاہ رہا تھا، میں شجاع کے ٹکڑے کرکے کتوں کے سامنے پھینک دوں۔ میں نے اس سے کہا تھا پھر بھی اس نے، آپ تو جان ہی گئے ہوں گے، میں کیا سمجھ رہا تھا۔ میں اس قدر بوکھلایا ہوا تھا کہ جب بات کرتے کرتے اس نے کہا کہ وہ میرے گھر آ رہی ہے اور اسے مجھ سے ایک پسٹل چاہیے جس سے وہ احتشام کو شوٹ کر سکے تو میں اس سے کوئی بات ہی نہیں کر سکا اور جب میں بات کرنے کے قابل ہوا تو وہ فون بند کر چکی تھی۔

اس کے فون بند کرنے کے فوراً بعد میں نے تمام احتیاطی تدابیر کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شجاع کو فوراً فون کیا اور اس کی آواز سنتے ہی میں اس پر برس پڑا۔ میری زبان پر جتنی گالیاں آ سکتی تھیں، میں نے اسے دے ڈالیں۔ وہ حیرانی سے مجھے گالیاں بکتے ہوئے سن رہا تھا۔ وہ بار بار مجھ سے کچھ کہنے کی کوشش کرتا مگر میں نے اسے کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس وقت میں جس ذہنی کیفیت میں تھا، اس میں میں اس کی کوئی بات نہیں سن سکتا تھا۔

''یقین کرو اظفر، میں نے تمہاری کزن کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ میں نے تو اسے بہن کی طرح رکھا ہے۔'' اس نے قسم کھاتے ہوئے بالآخر کہا۔ جواب میں، میں نے اسے کچھ اور گالیاں دیں۔

''فاطمہ جھوٹ نہیں بولتی اور اس نے خود مجھے کہا ہے کہ تم لوگوں نے اس کے ساتھ...... شجاع، میں تم لوگوں کو قبر میں اتار دوں گا، تم یاد رکھنا۔''

''تمہاری کزن جھوٹ بول رہی ہے۔ الزام لگا رہی ہے ہم پر۔ ہم لوگوں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔'' وہ قسمیں کھاتا رہا مگر میں نے دھمکیاں اور گالیاں دینے کے بعد فون بند کر دیا۔

اب میں فاطمہ کا انتظار کر رہا تھا۔ میں اس سے ساری تفصیلات جاننا چاہتا تھا اور اس کے بعد ہی میں طے کرنا چاہتا تھا کہ مجھے شجاع کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ میں اپنی گاڑی گیٹ سے باہر نکال لایا تھا اور بے چینی سے سڑک پر چکر لگا رہا تھا، جب وہ ایک رکشے پر آئی اور مجھے دیکھتے ہی رونے لگی۔

اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور میری اذیت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر لے آیا پھر میں نے اس سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ شجاع نے اس کے ساتھ کیا کیا اور یہ جان کر میری جان میں جان آئی کہ بدتمیزی کا سلسلہ صرف باتوں تک ہی محدود رہا تھا، انھوں نے اسے کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچایا۔

''مجھے پسٹل چاہیے۔ میں احتشام کو شوٹ کرنا چاہتی ہوں۔ یہ اغوا اسی نے کروایا ہے۔'' اس نے مجھ سے کہا۔

''مگر وہ تمہیں اغوا کیوں کروائے گا؟''

''میں نے تم سے ہونے والی ساری باتیں اسے بتا دی تھیں اور اس کے بعد اس کا رویہ اچانک تبدیل ہو گیا تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا، جیسے وہ مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتا تھا، کسی نہ کسی طرح مجھ سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں بھی تمہارے ساتھ انوالو ہو چکی ہوں۔ تم دیکھو اس نے اسی لیے شادی سے پہلے اس طرح مجھے اغوا کیا ہے تاکہ مجھ سے شادی سے انکار کر دے مگر وہ مجھ سے شادی سے انکار کیا کرے گا، میں خود اس سے شادی کیسے کر سکتی ہوں۔ جو اس طرح کے گھٹیا حربے استعمال کرے۔ اظفر، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی، میں اسے مار ڈالوں گی۔'' وہ اس وقت جنونی ہو رہی تھی۔

آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اسے احتشام سے اس طرح بدگمان دیکھ کر میری خوشی کن انتہاؤں کو چھو رہی ہو گی مگر بظاہر میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ شاید اسے غلط فہمی ہو گئی ہو اور احتشام نے اسے اغوا نہ کروایا ہو مگر وہ میری بات پر اور مشتعل ہو گئی۔ وہ گھر جانا بھی نہیں چاہتی تھی مگر میں نے کسی نہ کسی طرح سمجھا بجھا کر اسے احتشام کو شوٹ کرنے کا ارادہ بدلنے پر مجبور کر دیا اور پھر میں زبردستی اسے اس کے گھر لے آیا۔

ذرا اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ اس وقت میں کن فضاؤں میں پرواز کر رہا ہوں گا۔ ایک لڑکی جس کی نظروں میں آپ کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو، ایک دم آپ اس کی نظروں میں وہ وقعت حاصل کر لیں کہ کوئی دوسرا آپ کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکے تو بندہ کیا محسوس کرتا ہے۔ میرا ہر وار کامیاب رہا تھا۔ یہ اغوا میرے لیے بہت ہی پروڈکٹو ثابت ہوا۔ میں جان چکا تھا کہ اب فاطمہ اور احتشام کی شادی ناممکنات میں سے ہے۔ میں نے ہیر رانجھا کی اس کہانی میں کیدو کا کردار بڑی مہارت سے ادا کیا تھا اور توقع سے زیادہ کامیابی حاصل کی تھی مگر نہیں شاید ابھی میرے لیے کچھ انعامات باقی تھے جو اگلے دن میرے حصے میں آنے تھے۔

کیا آپ یقین کریں گے کہ اگلے دن پورے خاندان کے سامنے فاطمہ نے احتشام کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا، نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس نے مجھ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا اور وہ بھی علی الاعلان سب لوگوں کے سامنے۔ مجھے جو سکتہ ہونا تھا، وہ تو ہوا کیونکہ میں توقع نہیں کر رہا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کی خواہش کا اظہار کرے گی اور وہ بھی اتنا فوری اور سب کے سامنے۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس کے بارے میں ایک دن پہلے میں نے سوچا تک نہیں تھا مگر اس وقت جب سب کے سامنے اس نے مجھ سے کہا۔

''اظفر، تم مجھ سے شادی کرو گے نا؟ تم تو مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ میں جانتی ہوں، تم دوسروں سے مختلف ہو۔ تم احتشام نہیں ہو۔'' پھر میں نے احتشام کے چہرے پر پھیلنے والی تاریکی دیکھی اور اس کے بعد میں نے اس کی آنکھوں میں سے اپنے لیے ایک ایسے اعتماد کو دیکھا جو پہلے نہیں تھا تو بے اختیار میں نے سر ہلا دیا۔

آپ خود ہی سوچیں اگر وہ لڑکی جس سے بندہ محبت کرتا ہو، جس سے شادی کی خواہش رکھتا ہو اور وہ آپ کو بری طرح دھتکار دیتی ہو، کسی طرح بھی اس سے شادی کا کوئی امکان آپ کو نظر نہیں آتا اور پھر ایک دن وہی لڑکی بہتے آنسوؤں کے ساتھ بھری محفل میں آپ کو اپنا کہے اور آپ پر اپنے اعتماد کا اظہار کرے۔ آپ کو دوسروں سے مختلف کہے اور پھر اپنے سابقہ منگیتر کی طرح نہ ہونے کا بھی کہہ دے اور پھر شادی کی خواہش کا اظہار

کرے تو آپ کے پاس کیا راہ فرار رہ جاتی ہے۔ کم از کم مجھے تو اس وقت فرار کی کوئی راہ نظر نہیں آئی یا آپ یہ سمجھ لیں کہ میں فرار ہونا ہی نہیں چاہتا تھا۔ میرے پاس ہمیشہ کے لیے فاطمہ کا دل اور وجود جیتنے کا موقع آیا تھا میں اسے کیوں گنواتا۔ میرے پاس پورے خاندان میں ہیرو بننے کا موقع آیا تھا تو میں اسے ہاتھ سے کیوں جانے دیتا۔

آدھے گھنٹے کے اندر میرے ماں باپ کی ناپسندیدگی اور ناراضگی کے باوجود فاطمہ کے ساتھ وہیں میرا نکاح ہو گیا اور پھر رخصتی بھی۔ ابو شروع میں ناراض تھے پھر چچا نے انھیں اکیلے میں لے جا کر شاید ان کی منت سماجت کی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ واپس آئے تو پہلے کی طرح اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے بجائے خاموش رہے اور میری امی کو کہنے لگے کہ یہ شادی ہو جانے دیں مگر میری امی نے جتنا بولنا چاہا، بولتی رہیں اور جب انھیں اندازہ ہو گیا کہ وہ یہ شادی نہیں روک سکتی تھیں تو وہ اٹھ کر گھر چلی گئیں۔ ابو نے اس وقت تو یہ شادی ہو جانے دی اور فاطمہ کو بخوشی بہو کے طور پر قبول کر لیا مگر پتا نہیں کیوں، اگلے کئی ماہ تک وہ مجھ سے اکھڑے اکھڑے رہے۔ چند ماہ گزرے تو وہ نارمل ہو گئے تھے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں اس طرح کی شادی پر ماں باپ کا ردعمل کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

فاطمہ کا حق مہر چچا نواز نے دس لاکھ طے کیا اور میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میں نے بخوشی یہ حق مہر ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ وہ بے چارے خوف زدہ ہوں گے کہ ان کی بیٹی جس طرح کے حالات سے گزری تھی۔ بعد میں، میں کہیں اس کو چھوڑ نہ دوں مگر میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں کوئی بے وقوف نہیں تھا جو کفران نعمت کرتا۔

فاطمہ سے شادی کیسے بھی حالات میں کیوں نہ ہوئی ہو مگر وہ میرے لیے ایک آئیڈیل بیوی ثابت ہوئی۔ ایک ایسی بیوی جس کی نظروں میں، میں دیوتا سے کم نہ تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اپنی جان بھی مجھ پر قربان کر دیتی۔ بقول اس کے میں نے اس پر احسان ہی اتنا بڑا کیا تھا۔ وہ دن میں کئی بار مجھ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتی رہتی۔ اپنی ممنونیت کا احساس دلاتی رہتی اور پھر جب میں اس سے یہ کہتا کہ وہ اب سب کچھ بھلا دے تو وہ کہتی۔

''نہیں اظفر، ہر بات بھلانے والی نہیں ہوتی۔ کم از کم وہ سب کچھ تو ہرگز نہیں جو تم نے میرے ساتھ کیا۔'' یہ بات کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں میرے لیے کتنی عقیدت ہوتی، میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔ شاید وہ اس وقت اپنے وجود کو میرے قدموں کے نیچے بچھا دینا چاہتی ہو گی۔ میرے حصے میں ایک ایسی عورت آ گئی تھی جو جدید دور کی دیوداسی تھی۔ کیا کوئی دوسرا مرد اتنا خوش قسمت ہو سکتا ہے۔

وہ صرف مجھ پر ہی جان نثار کرنے کو تیار نہیں رہتی تھی بلکہ میرے باپ اور بہنوں کے لیے بھی اپنی بانہیں وا کیے رکھتی تھی۔ میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ میری امی نے اس شادی کو قبول نہیں کیا تھا، چنانچہ انھوں نے فاطمہ کی زندگی کو عذاب بنا کر رکھ دیا۔ میرے سامنے فاطمہ کے ساتھ ان کا سلوک جتنا برا ہوتا، میری عدم موجودگی میں اس سے بھی زیادہ برا ہوتا۔ وہ فاطمہ کو ایسی ایسی باتیں سناتیں جن کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے فاطمہ کی برداشت پر حیرت ہوتی تھی جو بڑی خاموشی سے سب کچھ سن لیتی تھی اور پھر بھی امی کی خدمت پر کمربستہ رہتی تھی۔ بعض دفعہ جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا تو وہ میرے سامنے رونے لگتی اور امی کے الفاظ میرے سامنے دہراتی جو میرا خون کھولا دیتے۔ امی اسے اس کے اغوا کے حوالے سے طعنے دیا کرتی تھیں اور یہ تو صرف میں جانتا تھا کہ یہ اغوا میں نے کروایا تھا، فاطمہ اس معاملے میں بالکل بے قصور تھی مگر امی کو یہ کون

سمجھاتا۔ بعض دفعہ تو ساری ساری رات سو نہیں پاتا تھا کیونکہ امی کے الفاظ کچھ ایسے ہی ہوتے تھے۔

پھر میرا امی کے ساتھ جھگڑا ہوتا اور امی ان ساری باتوں سے مکر جاتیں اور فاطمہ...... وہ اتنی خوفزدہ ہوتی تھی کہ وہ امی کے سامنے ان کی کسی بات کی تردید نہ کرتی بلکہ یہی کہتی کہ انھوں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ یہ سلسلہ صرف امی تک محدود رہتا تو شاید میں پھر بھی کسی نہ کسی طرح صبر کر لیتا مگر میری بہنیں بھی ایسی باتوں میں پیش پیش تھیں۔ میرے سامنے وہ کوئی بات نہ کرتیں مگر میری عدم موجودگی میں وہ فاطمہ کو ہر طرح سے ذلیل کرنے کی کوشش کرتی رہتیں اور وہ...... وہ پھر بھی ان کی خاطر مدارت کرتی رہتی، صرف اس لیے کہ وہ میری بہنیں تھیں اور فاطمہ میری احسان مند تھی۔ اسے مجھ سے منسوب ہر چیز سے محبت تھی۔ بعض دفعہ تو مجھے شرمندگی ہوتی کہ میں نے آخر کیوں......؟

اسی پچھتاوے کو کم کرنے کے لیے میں نے اپنا گھر اس کے نام کر دیا۔ اس رات بھی وہ میری امی کی کچھ باتوں سے دل گرفتہ تھی پھر روتے روتے وہ کھڑکی میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ میں اسے Console کرنے کے لیے اس کے پاس آ گیا۔ وہ مجھ سے بات کرنے لگی اور بات کرتے کرتے اس نے کہا۔

''جب میری منگنی ہوئی تھی، احتشام کے ساتھ تو ان دنوں ایک بار احتشام نے میری امی سے کہا تھا کہ وہ باہر سے پڑھ کر واپس آنے کے بعد اپنا گھر بنائے گا جسے وہ میرے نام کر دے گا۔ جب امی نے مجھے یہ بات بتائی تو میں نے مذاق میں بات اڑا دی مگر بعد میں جب میں نے سوچا کہ ایک الگ اور اپنا گھر کتنی خوشی اور سکون کا باعث ہوتا ہے تو مجھے احتشام پر بہت......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور میرے دل پر چھریاں سی چل گئیں۔ آخر وہ کیا کہتے کہتے رکی تھی۔

''میرے ساتھ اگر یہ حادثہ نہ ہوتا اور احتشام میرے ساتھ یہ سب نہ کرتا تو شاید آج میرا بھی اپنا ایک گھر ہوتا'' اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ ''اس گھر سے بھی بڑا...... پھر کوئی اس طرح میری تذلیل نہیں کر سکتا تھا۔'' وہ یک دم کہہ کر تیزی سے میرے پاس سے چلی گئی اور جا کر بیڈ پر لیٹ گئی مگر میرے اوپر ایک قیامت گزر رہی تھی۔ شادی کے بعد پہلی بار میں نے احتشام کا ذکر اس کے منہ سے اس طرح کسی حسرت سے منسوب ہو کر سنا تھا ورنہ وہ اگر احتشام کا ذکر کرتی تھی تو برے لفظوں میں ہی مگر اس رات اس نے مجھے ہولا دیا تھا۔

آخر وہ کہنا کیا چاہ رہی تھی۔ کیا یہ کہ جو کچھ احتشام اس کے لیے کر سکتا تھا، وہ میں نہیں کر سکتا تھا۔ آخر اس نے یہ سوچا ہی کیوں تھا۔ احتشام کا موازنہ کیوں کیا تھا اس نے میرے ساتھ؟ میرے اندر تو جیسے ایک آگ بھڑک اٹھی تھی۔ وہ بیڈ پر سو چکی تھی اور میں سگریٹ پھونک پھونک کر کمرے کے چکر لگاتا رہا۔ رات کے پچھلے پہر میں نے اسے نیند سے جگایا اور اسے بتا دیا کہ میں اپنا گھر اس کے نام کر رہا ہوں، اس نے انکار کر دیا مگر میں ایک بار جو طے کر لیتا تھا، وہی کرتا تھا۔ میں نے اس رات اس سے بہت سے وعدے کیے تھے، شاید لاشعوری طور پر میں خود کو احتشام سے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر اگلے کچھ سالوں میں، میں بالکل بدل کر رہ گیا یا آپ یہ کہہ لیں کہ فاطمہ نے مجھے بدل کر رکھ دیا۔ گھر کے علاوہ ہر چیز میری زندگی سے نکل گئی۔ ایک اچھی بیوی کی سب سے بڑی خوبی یہی تو ہوتی ہے کہ وہ شوہر کو گھر کے علاوہ سب کچھ بھلا دیتی ہے اور فاطمہ ایک اچھی بیوی تھی۔ میں جو دوستوں کے ساتھ خاصا وقت گزارنے کا عادی تھا، آہستہ آہستہ میں نے سارے دوست چھوڑ دیے۔ میرے لیے فاطمہ، میرے بچے اور میرا گھر ہی سب کچھ تھا۔

میں اپنے والدین اور بہنوں تک کو فراموش کر چکا ہوں اور مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ وہ لوگ فاطمہ کی عزت نہیں کرتے اور جو فاطمہ کی عزت نہیں کرتا، اس سے میں کوئی تعلق رکھنے پر تیار نہیں ہوں۔

فاطمہ کے نام میں نے صرف گھر ہی نہیں کیا اور بھی بہت کچھ کیا، نہ صرف اس کے نام بلکہ اپنے بچوں کے نام بھی۔ اس سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ فاطمہ ہر گزرتے سال کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ میری احسان مند ہوتی گئی۔ اس کی نظروں میں میرا مقام اور بڑھتا گیا۔ وہ مجھے ایک ایسا شوہر سمجھتی ہے جو اس کے لیے اللہ کا خاص انعام ہے اور میں نے اپنے ہر عمل سے اس بات کو ثابت کیا ہے۔ دولت اور جائیداد کے بدلے اگر کسی کا دل اس طرح جیت لیا جائے کہ وہ تاعمر آپ کا غلام بن جائے تو سودا برا تو نہیں ہے پھر چیزیں میرے نام رہیں یا اس کے، کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم دونوں میں علیحدگی تو ہو ہی نہیں سکتی۔ میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ فاطمہ مجھ سے عشق کرتی ہے، اس نے مجھے دیوتا کا درجہ دیا ہوا ہے، احسان مند ہے وہ میری۔ میں نے اسے اتنی زنجیروں میں باندھ رکھا ہے کہ وہ چاہے بھی تو خود کو آزاد نہیں کر سکتی اور وہ خود کو آزاد کروانا بھی کیوں چاہے گی۔

تو اب تو آپ جان ہی گئے ہیں نا کہ میں نے اس پر کیا احسان کیا ہے اور یہ کہ میں یہ کیوں کہہ رہا ہوں کہ مرد عورت سے زیادہ عقلمند ہوتا ہے اور عورت لاکھ چاہے مگر ذہانت کے معاملے میں وہ کسی بھی طرح مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ خود ہی سوچیں، میں نے ہر بازی، ہر داؤ کتنی مہارت سے لگایا، اتنی مہارت سے کہ آج پندرہ سال گزرنے کے بعد بھی فاطمہ کو احساس تک نہیں ہو سکا کہ وہ جس کی بیوی بن کر ہر وقت اس کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی رہتی ہے، اس نے اس کے ساتھ کتنا بڑا دھوکا کیا ہے۔ وہ جس کے ہر وقت گن گاتی رہتی ہے، اس نے اسے کس طرح مات دی ہے۔ پندرہ سال گزرنے کے باوجود وہ کچھ نہیں جان سکی اور باقی زندگی بھی وہ اسی طرح میرے ساتھ ہنسی خوشی گزار دے گی، میرے گن گاتے گاتے۔

اب آپ ہی بتائیں، جب وہ اکثر عورت کی عقل مندی کے بارے میں کچھ نہ کچھ بولتی رہتی ہے تو کیا مجھے اس پر ہنسی نہیں آئے گی۔ عورت اور عقل مندی......اور پھر مرد سے زیادہ عقل مند۔ ہے نا، ہنسنے والی بات۔

میں جانتا ہوں، آپ اگر مرد ہیں تو میری طرح ہنس رہے ہوں گے اور اگر عورت ہیں تو اس وقت سکتے کے عالم میں بیٹھی ہوں گی اور شاید یہ کہانی پڑھنے کے بعد اگلے ماہ خطوط کی محفل میں اس پر تنقید کے ڈونگرے برسائیں گی۔ میں جانتا ہوں، آپ ایسا ضرور کریں گی۔ وہ کیا کہتے ہیں کھسیانی بلی۔ چلیں خیر، اس بات کو چھوڑتے ہیں کہ عورت ہونے کی حیثیت سے آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟

ہم بات کرتے ہیں فاطمہ کی۔ فاطمہ جو میری بیوی ہے اور جس سے مجھے محبت ہے، اتنی محبت کہ میں وہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہو گیا جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ یقین کریں، فاطمہ سے مجھے واقعی میں محبت ہے مگر اس محبت کے باوجود میں یہ ماننے پر تیار نہیں کہ عورت مرد سے زیادہ عقل مند ہوتی ہے۔

مرد ہر بازی دماغ سے کھیلتا ہے، بس کبھی کبھار کوئی ایک بازی ایسی ہوتی ہے جسے وہ دل سے کھیلتا ہے اور جس بازی کو وہ دل سے کھیلتا ہے، اس میں مات کبھی نہیں کھاتا کیونکہ وہ بازی انا کی بازی ہوتی ہے پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے، یہ تو آپ سب جانتے ہی ہیں۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟



ابھی کچھ دیر پہلے میں اپنے شوہر کے پاس سے اٹھ کر باہر آ گئی ہوں، صرف اس لیے تاکہ وہ اخبار لپیٹ کر معمول کے مطابق میری ایک بات پر قہقہہ مار کر ہنس سکے۔

پچھلے پندرہ سال سے یہی ہو رہا ہے۔ میں جتنی دفعہ یہ جملہ دہراتی ہوں، وہ اتنی ہی بار اس سے محظوظ ہوتا ہے۔ میرے سامنے وہ میری کہی ہوئی اس بات پر ہنس ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ جانتا ہے، اس کے بعد اسے لمبی چوڑی وضاحتوں سے گزرنا پڑے گا اس لیے وہ ہمیشہ میرے جانے کے بعد ہی ہنستا ہے اور میں بھی یہ بات کہنے کے بعد اس کے پاس سے فوراً اٹھ جاتی ہوں تاکہ وہ جی کھول کر میری بات پر ہنس سکے۔

ہو سکتا ہے، آپ لوگوں کا خیال ہو کہ شاید میں اپنے شوہر کو کوئی لطیفہ وغیرہ سناتی ہوں جو اسے اتنا پسند آتا ہے کہ وہ ہر بار ہنستا ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کو خود سوچنا چاہیے۔ کیا شوہر بیویوں کے سنائے ہوئے لطیفوں پر ہنستے ہیں؟ میرا خیال ہے، ہمارے ملک میں ایسا نہیں ہوتا۔

اور پھر یہ بھی تو سوچیں کہ بار بار ایک ہی لطیفے پر ہنسی کیسے آ سکتی ہے اس لیے واضح کر دوں کہ میں اسے کوئی لطیفہ نہیں سناتی لیکن میرا خیال ہے کہ میرے شوہر کو میری بات کسی لطیفے سے کم نہیں لگتی ہوگی۔

اب آپ یقیناً یہ جاننے کے لیے بے تاب ہو رہے ہوں گے کہ میں اپنے شوہر سے ایسی کون سی بات کہتی ہوں جس پر اس کا ردعمل یہ ہوتا ہے تو چلیں، آپ کو بتا ہی دیتی ہوں۔

میں نے ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنے شوہر سے کہا تھا۔

"خیر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ عورت، مرد سے زیادہ عقل مند ہوتی ہے۔" میرا شوہر اس وقت اخبار پڑھ رہا تھا اور یہ بات ایک خبر سننے کے بعد میں نے اپنے تبصرہ میں کہی تھی۔ میں اس وقت نیل فائل سے اپنے ناخنوں کو رگڑ رہی تھی اور اس کے ساتھ کن انکھیوں سے میں اپنے شوہر کے تاثرات کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔

میرے جملے پر ہمیشہ کی طرح اس نے محظوظ ہو کر مجھے دیکھا اور پھر کافی دیر وہ میرے چہرے کو ہی دیکھتا رہا۔ اس وقت وہ دل ہی دل میں میری خوبصورتی کو سراہنے کے ساتھ ساتھ یقیناً اپنی ہنسی کو ضبط کرنے کے لیے بے تحاشا کوشش کر رہا تھا۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ میں یہ بات کہتی اور وہ اپنی ہنسی کو ضبط کرتے کرتے میرا چہرہ دیکھنے لگتا اور پھر کافی دیر میرا چہرہ دیکھتا رہتا پھر مجھے اس پر ترس آ جاتا اور میں اس کے پاس سے اٹھ جاتی تاکہ وہ چند منٹ اچھی طرح ہنس لے۔

آپ لوگ یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ میں بھی عورتوں کی نام نہاد برتری کی قائل، عورتوں کے کسی گروپ سے تعلق رکھتی ہوں۔ جو بات بے بات عورتوں کی آزادی، پھر برابری اور پھر برتری کے حوالے سے بیان دیتی رہتی ہیں۔ آپ اگر یہ سوچ رہے ہیں تو غلط سوچ رہے ہیں۔ میں ایک مکمل ہاؤس وائف ہوں۔ اپنے گھر، بچوں اور شوہر کے سوا مجھے اور کسی چیز میں دلچسپی نہیں ہے۔ اس لحاظ سے میری زندگی کا دائرہ کار خاصا محدود ہے۔

ہو سکتا ہے، اب آپ یہ سوچ رہے ہوں کہ پھر میں ان عورتوں میں سے ہوں گی جنھیں شوہر کی بے التفاتی اور بے رخی کی شکایت رہتی ہے اور وہ ہمیشہ اپنے شوہروں سے بحث میں الجھی رہتی ہیں۔ آپ ایسا سوچ رہے ہیں تو ایک بار پھر غلط سوچ رہے ہیں۔ مجھے شوہر سے بحث کرنے کی

عادت ہے، نہ دلچسپی اور نہ ہی کبھی اس کی ضرورت پیش آئی ہے کیونکہ میرا شوہر آئیڈیل نہ سہی مگر پھر بھی شوہروں کی اس قسم سے تعلق رکھتا ہے جو بہت نایاب ہوتی ہے۔

اظفر کے لیے فیکٹری اور گھر کے درمیان اور کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جو اسے اپنی جانب کھینچ سکے۔ صبح ٹھیک نو بجے وہ گھر سے نکل جاتا ہے اور رات کو ٹھیک آٹھ بجے وہ دوبارہ گھر میں داخل ہوتا ہے۔ یہ ٹائمنگ صرف انہی دنوں کچھ بدلتی ہے، جب فیکٹری میں کام زیادہ ہو اور ایسا صرف سال کے کچھ خاص مہینوں میں ہی ہوتا ہے۔ گھر آنے کے بعد اس کا سارا وقت میرے اور میرے بچوں کے لیے ہوتا ہے۔

شادی سے پہلے اس کے دوستوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ شادی کے بعد ان پندرہ سالوں میں، میں نے جو اہم کام کیے ہیں، ان میں اظفر کے دوستوں سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی ہے۔ شاید آپ کو یہ سن کر حیرت ہو کہ اس وقت اظفر کا کوئی دوست نہیں ہے، کاروباری دوستوں کے علاوہ...... اور یقیناً کاروباری دوستوں کے ساتھ آپ اپنا فارغ وقت گزارنا پسند نہیں کرتے۔ اظفر کی دوستیاں چھڑوانے میں مجھے وقت لگا لیکن بہر حال میں نے یہ کام کیا اور یہ کام کرنے میں مجھے کچھ ایسی حرکتیں بھی کرنی پڑیں جو شاید کسی دوسرے مرد سے شادی کی صورت میں، میں کبھی نہ کرتی۔ میں نے ایسا کیوں کیا؟ یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی۔

تو میں آپ سے کہہ رہی تھی کہ میں ان عورتوں میں بھی شامل نہیں ہوں جنہیں شوہر کی بے التفاتی کا گلہ ہو تو پھر ایسا بیان؟ اس کی ایک وجہ ہے اور جب میں آپ کو وہ وجہ بتاؤں گی تو پھر مرد ہونے کے باوجود آپ میرے بیان پر یقین کرنے میں ایک سیکنڈ نہیں لگائیں گے۔

میں اظفر کے ساتھ شادی کر کے بہت خوش اور مطمئن ہوں اور مجھے اظفر سے شادی کرنے سے نفرت تھی پھر بھی یہ جان کر آپ کو حیرت ہو گی کہ یہ شادی میرے اصرار پر ہو گئی تھی۔ نہیں...... یہ لو میرج نہیں تھی مگر اظفر مجھ سے بے حد محبت کرتا تھا، ہاں مگر جب میں اس سے شادی کرنا چاہتی تھی تو وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں جانتی ہوں، آپ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہے ہوں گے تو پھر آئیں ہر چیز کو ذرا تفصیلاً دیکھتے ہیں۔

✡......✪......✡

میرے والد ایک سرکاری دفتر میں ملازم تھے۔ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ ہی رہتے تھے بلکہ اب بھی وہ ان کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ وہ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور ان کی طرح میرے سارے تایا بھی سرکاری ملازم تھے، ہاں البتہ سب سے بڑے تایا نے سرکاری ملازمت نہیں کی بلکہ اپنا بزنس کیا اور اس بزنس میں کامیاب ہونے کے لیے وہ سارے ہتھکنڈے اور حربے استعمال کیے جو میرے والد اور دوسرے تایا کبھی استعمال نہیں کر سکے۔ نتیجہ وہی ہوا جو ایسے حالات میں ہوتا ہے، میرے تایا نے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی اور اس ترقی کے بعد ان کے حالات ہی نہیں نظریں اور ذہنیت بھی تبدیل ہوگئی۔

میرے بچپن میں ہی وہ جوائنٹ فیملی سسٹم چھوڑ کر اپنے الگ گھر میں شفٹ ہو گئے۔ ان کے اس طرح چلے جانے کا ان کے علاوہ سب کو ملال ہوا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب کچھ نارمل ہوتا گیا۔

میں اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد تھی۔ مجھ سے چھوٹا طلحہ تھا اور پھر تین بہنیں۔ میں نے آپ کو بتایا ہے تاکہ میرے والد ایک سرکاری محکمے میں ملازم تھے، نہ صرف ملازم بلکہ "ایماندار ملازم" اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اور میرے گھر والوں نے خاصی مشکل زندگی گزاری لیکن اس مشکل یا تنگ دستی کی زندگی نے ہماری ویلیوز ختم نہیں کیں، نہ ہی ہم میں مایوسی اور ڈپریشن جیسی چیزوں کو جنم دیا۔ ہمارے والدین نے ہمیں تنگ دستی کے ساتھ اچھا خاصا ایڈجسٹ کر دیا تھا۔

اس زمانے میں ہماری سب سے بڑی دولت ہماری تعلیم تھی اور کم از کم اس معاملے میں ہم بڑے سے بڑے دولت مند کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ میرے والدین شاید زندگی کی دوسری آسائشات ہمیں دینے کے لیے جدوجہد نہ کر سکے لیکن انھوں نے تعلیم کے معاملے میں ہمیں کسی سے پیچھے نہیں رکھا۔ جتنا ان سے ہو سکا، وہ ہماری تعلیم پر خرچ کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہم لوگ اس قابل ہو جائیں گے کہ اپنے لیے دیکھے جانے والے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کر سکیں۔ مجھے چھوڑ کر ان کی باقی ساری اولاد کے لیے یہ خیال بالکل ٹھیک ثابت ہوا۔ میرا بھائی آج کل امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں پڑھا رہا ہے اور میری سب سے چھوٹی بہن اسی کے پاس سرجری میں اسپیشلائزیشن کر رہی ہے۔ باقی دو بہنوں میں سے ایک مقامی کالج کی وائس پرنسپل ہے اور دوسری ماحولیات کے بارے میں ایک بین الاقوامی تنظیم کے ساتھ اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے طور پر منسلک ہے۔

اپنے والدین کی ساری اولاد میں سے صرف میں ہوں جو ماسٹرز نہیں کر سکی۔ شاید میرے حوالے سے میرے والدین نے سب سے زیادہ خواب دیکھے ہوں گے مگر بعض دفعہ خواب صرف خواب ہی رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اگر میری زندگی میں وہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو شاید میں بھی اپنے دوسرے بہن بھائیوں کی طرف کسی نہ کسی بڑے عہدے پر کام کر رہی ہوتی مگر خیر...... ایسا نہیں ہے کہ میں پچھتاوں کا شکار ہوں، پچھتاوا تو آپ کو تب ہوتا ہے، جب آپ نے زندگی میں بہت سی غلطیاں یا حماقتیں کی ہوں اور میرے ساتھ جو کچھ ہوا، اس میں میری کسی غلطی یا حماقت کا کوئی دخل نہیں تھا اس لیے کسی پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں مگر بعض دفعہ تھوڑی بہت اداسی ضرور ہوتی ہے۔

میں آپ کو بتا رہی تھی کہ مالی مشکلات کے باوجود ہم لوگ ایک پرسکون زندگی گزار رہے تھے، جب ہماری زندگی میں ایک طوفان آیا تھا،

اظفر کی صورت میں۔

ان دنوں میں پولیٹیکل سائنس میں ماسٹرز کر رہی تھی اور میری احتشام کے ساتھ نئی نئی منگنی ہوئی تھی۔ آپ یک دم حیران ہو گئے ہیں کہ ابھی میں اظفر کا ذکر کر رہی تھی اور اب میں احتشام پر پہنچ گئی ہوں۔ دراصل مجھے پہلے ہی آپ کو احتشام سے متعارف کروا دینا چاہیے تھا۔ میں نے آپ کو بتایا ہے تاکہ ہم لوگ جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے تھے۔ احتشام میرے چھوٹے تایا کا بیٹا تھا۔ ہم لوگ بچپن سے ایک ساتھ رہتے آ رہے تھے۔ وہ عمر میں مجھ سے تین سال بڑا تھا مگر اس کے باوجود ہم دونوں میں کمال انڈر اسٹینڈنگ تھی بلکہ شاید ہم سب کزنز کی آپس میں بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ وہ اسٹڈیز میں خاندان میں سب سے اچھا تھا اور یہ اس کی سب سے بڑی خوبی تھی جس کی وجہ سے وہ سراہا جاتا تھا۔ شکل و صورت کے اعتبار سے وہ بہت خوبصورت نہ سہی مگر بہت برا بھی نہیں تھا۔ خوش لباسی اس کی ایک اور اہم خصوصیت تھی مگر مجھے اس کی جو بات سب سے زیادہ پسند تھی۔ وہ سنجیدگی اور کم گوئی تھی۔ میری طرح اسے بھی اچھی کتابیں پڑھنے کا شوق تھا، خاص طور پر اکنامکس سے متعلق کیونکہ یہ اس کا مضمون تھا۔ میری طرح وہ بھی بہت اچھے آرٹیکلز لکھا کرتا تھا لیکن شاید ہم میں سب سے بڑی مشترکہ خصوصیت یہ تھی کہ ہم دونوں ڈیبیٹر تھے۔ دونوں اچھے ڈیبیٹر تھے مگر میں نے ڈیبیٹس میں اتنے جھنڈے نہیں گاڑے تھے، جتنے احتشام نے گاڑے تھے، وہ مجھ سے بہت بہتر ڈیبیٹر تھا۔

جب دو لوگوں میں اتنی بہت سی خصوصیات مشترکہ ہوں تو پھر انھیں ان کا احساس ہو یا نہ ہو، دوسرے لوگوں کو ضرور ہو جاتا ہے۔ ہم دونوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ احتشام نے شان دار نمبروں کے ساتھ اکنامکس میں ماسٹرز کیا اور پھر فوراً ہی اسے بنک میں ایک بہت اچھی جاب مل گئی۔

جاب ملنے کے چند ہی دنوں بعد اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی، جب اس کی امی میرا رشتہ مانگنے کے لیے ہمارے گھر آ گئیں۔ گھر کیا آپ یہی سمجھیں، ہمارے حصے میں آ گئیں۔ میرے لیے یہ ایک حیران کن بات تھی۔ احتشام کے بارے میں، میں نے کبھی اس طرح نہیں سوچا تھا مگر تائی نے امی کو بتایا تھا کہ وہ احتشام کی خواہش پر یہ رشتہ لے کر آئی ہیں۔ میرے والدین نے اسی وقت مجھ سے اس رشتے کے بارے میں پوچھا۔ مجھے یقیناً کیا اعتراض ہو سکتا تھا اس لیے میں نے اپنی رضامندی دے دی، چنانچہ احتشام سے میری نسبت طے کر دی گئی اور یہ میری زندگی کے خوشگوار ترین واقعات میں سے ایک تھا۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ کسی کے ساتھ منسوب ہو جانے کے بعد آپ کی اس شخص کے بارے میں فیلنگز بالکل بدل جاتی ہیں، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

میں یہ نہیں جانتی کہ احتشام کو مجھ سے محبت کب ہوئی مگر مجھے احتشام سے محبت منگنی کے بعد ہوئی اور میرا خیال ہے، یہ محبت احتشام کی محبت سے زیادہ شدید تھی۔ منگنی کے بعد میرا اور احتشام کا آپس میں میل جول تقریباً ختم ہو گیا کیونکہ نہ تو شادی سے پہلے اس طرح کا میل جول ہمیں پسند تھا، نہ ہی یہ ہماری خاندانی روایات کے مطابق تھا۔ میں اس سے پردہ تو نہیں کرتی تھی مگر کوشش کرتی تھی کہ جہاں وہ ہو، وہاں جانے سے گریز کروں۔ یہی سب وہ بھی کرتا تھا مگر اگر کبھی آمنا سامنا ہو ہی جاتا تو ہم دونوں بڑے مہذب انداز میں ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے اور پھر اپنی راہ ہو لیتے۔

زندگی بڑے پرسکون انداز میں گزر رہی تھی۔ ایم اے کے فوراً بعد میری شادی ہو جانی تھی کیونکہ احتشام کو ایم فل کے لیے بیرون ملک ایک سکالرشپ ملا تھا اور وہ مجھے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ ان دنوں میں نے کبھی خواب میں بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ کچھ اور پلان کر

رہے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ پلان کرتا ہے، وہی دراصل آپ کی تقدیر ہوتی ہے اور اس تقدیر کے سامنے ہم سب بے بس ہوتے ہیں۔ خیر میں آپ کو بتا رہی تھی کہ میں ان دنوں احتشام کے ساتھ اپنی آنے والی زندگی کے منصوبے بنایا کرتی تھی کیونکہ میرے تو وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ کوئی چیز میرے اور احتشام کے درمیان رکاوٹ بن سکتی ہے مگر اظفر کی صورت میں وہ رکاوٹ سامنے آ ہی گئی۔

میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ میرے سب سے بڑے تایا بہت امیر تھے اور وہ میرے بچپن میں ہی جوائنٹ فیملی سسٹم سے الگ ہو گئے تھے۔ اظفر میرے انہی تایا کا بیٹا تھا، چونکہ وہ بچپن میں ہی اپنے الگ گھر شفٹ ہو گیا تھا اس لیے بہت کم ہی وہ ہمارے گھر آیا کرتا تھا۔ اگر آتا بھی تو سارا وقت بڑی تائی کے پاس بیٹھا رہتا۔ ہم سب کزنز اس کے جانے کے بعد اس کا خاصا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ہمیں اس کی وضع قطع اور عادت کچھ ایسی ہی احمقانہ لگتی تھی۔ تائی امی کا سارا غرور ان کے بیٹے میں جھلکتا تھا۔ تائی امی کو کبھی بھی ہم لوگ اچھے نہیں لگتے تھے۔ تایا کے ساتھ وہ بہت کم ہی حویلی میں آتی تھیں اور اگر آتی تھیں تو ہر بار کسی نہ کسی چیز پر اعتراض ضرور کرتیں۔ ان کی کوشش یہی ہوتی کہ جتنی جلدی ہو سکے وہ تایا کو وہاں سے لے جائیں اور اکثر وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہتی تھیں۔

ہر بار وہ جب بھی آتیں، حویلی کی کسی نہ کسی چیز میں مین میخ ضرور نکالتیں اور ان کی باتیں میری امی سمیت دونوں تائیوں کا دل جلا دیتی تھیں۔

مجھے یاد ہے، ایک بار وہ ہمارے ہاں آئی تھیں اور ہم نے انھیں ہمیشہ کی طرح ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا مگر انھوں نے صوفے پر بیٹھتے ہی صوفے کے گھسے ہوئے کپڑے کو دیکھ کر کہا۔

''صوفیہ، تم نیا صوفہ کیوں نہیں خرید لیتیں کچھ زیادہ نہیں بس آٹھ دس ہزار ہی کی بات ہے۔'' میری امی ان کی بات پر جل کر رہ گئی تھیں کیونکہ وہ جتنی رقم کی بات کر رہی تھیں، اتنی رقم تو میرے ابو کو تنخواہ بھی نہیں ملتی تھی پھر وہ جتنی دیر ہمارے ہاں بیٹھی رہیں، میری امی کو شہر کے فرنیچر کی بڑی بڑی دکانوں کے نام بتاتی رہیں جہاں سے جدید ڈیزائن کا انتہائی معیاری اور ''مہنگا'' صوفہ بڑے آرام سے خریدا جا سکتا تھا۔ ان کے جانے کے بعد میری امی نے جوں توں کر کے صوفے کا کپڑا تبدیل کروا لیا تھا مگر اس تبدیلی کا اثر یہ ہوا کہ اگلے دو ماہ تک ہم لوگ گوشت نہیں کھا پائے تھے۔

مجھے بڑی تائی سے ان کی ایسی ہی حرکتوں کی وجہ سے چڑ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بہت صاف گو ہیں اسی لیے وہ یہ حق رکھتی ہیں کہ جس کو جب جی چاہے جو مرضی چاہے کہہ دیں اور پھر اگر ان کی بات پر کوئی ناراض ہوتا تو انھیں اس پر بھی اعتراض ہوتا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ان کی سچی بات پر کسی کو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ خود وہ کسی کی سچی بات سننے کی روادار نہیں تھیں۔ کیونکہ اپنے بارے میں سچی باتوں کو وہ دوسروں کا بغض اور حسد قرار دیتی تھیں۔ اگرچہ وہ حویلی میں بہت کم آیا کرتی تھیں لیکن ہم سب لوگوں کے بارے میں ''سچ'' پھیلانے میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔

اظفر ان کا بگڑا ہوا اکلوتا بیٹا تھا اور کسی کو بھی اس بات پر حیرت نہیں ہوتی تھی کیونکہ بڑی تائی کی اولاد سلجھی ہوئی کسی طور بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ اظفر بہت کم ہماری طرف آیا کرتا تھا۔ اس لیے اس سے میرا آمنا سامنا بھی بہت کم ہی ہوتا تھا بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ اس سے میرا آمنا سامنا شادی وغیرہ جیسے مواقع پر ہی ہوتا تھا۔ بڑے تایا کی اولاد سے ملنے میں ویسے بھی ہمیں دلچسپی کم ہی تھی۔ اگرچہ وہ حویلی نہیں آتا تھا مگر اس کے بارے میں اڑتی اڑتی خبریں ہم تک ضرور پہنچتی رہتی تھیں۔ مثلاً یہ کہ اسے پڑھائی میں دلچسپی نہیں ہے اور تایا اور تائی کی

''بھرپور کوشش'' کے باوجود اسے پڑھائی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ بی اے میں دو بار فیل بھی ہوا اور تیسری بار بھی وہ تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوا تھا۔

میرے کچھ کزن بھی اسی کالج میں پڑھتے تھے جس میں وہ پڑھتا تھا اور وہ اکثر بتاتے رہتے تھے کہ وہ کالج کے بجائے دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح والی جگہوں پر زیادہ پایا جاتا ہے پھر پتا چلا کہ اس نے بی اے کے بعد تعلیم چھوڑ دی ہے اور تایا کے ساتھ فیکٹری جانا شروع کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ بھی سنا کہ تائی اس کے لیے لڑکیوں کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہیں۔

اگرچہ ہمارے خاندان میں رشتے باہر نہیں کیے جاتے تھے مگر اس روایت کو توڑنے کا فریضہ بھی تائی نے ہی سرانجام دیا۔ انھوں نے اپنی تینوں بیٹیوں کی شادیاں خاندان سے باہر کیں اور جب انھوں نے یہ کیا تو خاندان یہ جان گیا کہ اب وہ بیٹے کی شادی بھی خاندان سے باہر ہی کریں گی اس لیے کسی نے اظفر کے ساتھ اپنی کسی بیٹی کا مقدر پھوڑنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ یہ ''سعادت'' میرے حصے میں لکھی گئی ہے۔ اظفر سے میرا میل جول کس حد تک تھا، یہ میں آپ کو بتا ہی چکی ہوں، اب ایسے میل جول کے باوجود بھی اسے مجھ سے عشق ہو گیا اور وہ بھی تب، جب کہ میری احتشام سے منگنی ہو چکی تھی تو آپ خود ہی ایسے شخص کی ذہنی ابتری کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اظفر اکثر مجھے بتاتا رہتا کہ اسے مجھ سے محبت کب ہوئی تھی اور میں ہمیشہ سوچتی ہوں کہ کاش، میں اس دن کبھی اس کے سامنے نہ جاتی۔

یہ احتشام کے ساتھ منگنی کے کئی ہفتے بعد کا ذکر ہے، جب ایک دن میں سہ پہر کے وقت اپنے گھر سے نکل کر چھوٹے تایا کے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ ہم سب کا دالان مشترکہ تھا اور ایک دوسرے کے حصوں میں جانے کے لیے ہمیں وہیں سے گزرنا پڑتا تھا۔ تایا کے گھر کی طرف جاتے جاتے اچانک میری نظر چھوٹے تایا کے برآمدے کی طرف اٹھی تھی اور وہاں میں نے اظفر کو کھڑا دیکھا۔ وہ بھی میری ہی طرف متوجہ تھا۔ اسے وہاں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی کیونکہ ایسا بہت کم ہوتا کہ وہ حویلی آتا مگر بہرحال آج وہ وہاں کھڑا تھا اور نہ صرف کھڑا تھا بلکہ مجھے دیکھ بھی چکا تھا۔

میں نے پہلے تو اظفر کو نظر انداز کر کے گزرنا چاہا مگر پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے، بڑی تائی بھی اظفر کے ساتھ آئی ہوں اور ظاہر ہے پھر تھوڑی دیر بعد وہ لوگ ہمارے گھر بھی آئیں گے اور یوں نظر انداز کر کے گزر جانا مجھے خاصا مہنگا پڑ سکتا تھا۔ اگر اظفر بڑی تائی سے اس کا ذکر کر دیتا تو کیونکہ بڑی تائی دوسروں کو ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں اور ان کے بیٹے سے بعید نہیں تھا کہ وہ اپنی ماں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا اس لیے میں نے اسے نظر انداز کرنے کا ارادہ ترک کیا اور اس کی طرف آ گئی۔ اس کے پاس آ کر میں نے اس کا حال احوال پوچھا اور پھر تائی کے بارے میں دریافت کیا۔ یہ جان کر مجھے بڑی مسرت ہوئی تھی کہ تائی تشریف نہیں لائیں، اس کا مطلب تھا کہ اب ان کی خاطر مدارات اور تنقید سے ہم لوگ بچے رہتے۔

مجھے اس وقت شدید حیرت کا سامنا کرنا پڑا، جب اظفر نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور وہ بھی مسکرا کر۔ اظفر ہمیشہ بہت روکھے انداز میں سب سے مخاطب ہوتا تھا اس لیے اس کا یہ نرم لہجہ مجھ سے ہضم نہیں ہوا پھر میں نے اسے یہ بات جتا دی کہ اس کے گھر ہمیشہ ہم لوگوں کو شادی کی دعوت پر ہی بلایا جاتا ہے، ویسے نہیں اور میں نے اظفر سے پوچھا تھا۔

''کیا آپ کی شادی ہے؟'اس کے بعد اس کے چہرے پر بے پناہ شرمندگی ابھر آئی تھی اور میں اسے شرمندہ کرنا نہیں چاہتی تھی اس لیے میں اس کی دعوت قبول کرنے کا کہہ کر تایا کے گھر چلی گئی۔

اس واقعے کے چند دن بعد اس وقت سب کی حیرت کی انتہا نہیں رہی، جب تایا نے میلاد کی محفل اپنے گھر منعقد کروائی اور اس میں پورے خاندان کو انوائٹ کیا، یہ ایک ایسا عجیب واقعہ تھا جس نے پورے خاندان کو حیرت کے بہت سے غوطے دیے۔تایا اور تائی نے اول تو کبھی میلاد کی محفل منعقد کروائی ہی نہیں تھی کیونکہ تائی کا خیال بلکہ فرمان تھا کہ عقیدت دل میں ہوتی ہے، اس کا اظہار ضروری نہیں ہوتا اور اگر کبھی انھوں نے ایسی کسی دعوت کا اہتمام کیا بھی تو اس میں ہمارے خاندان کو بلانے کی زحمت نہیں کی۔ وہ ایسی تقریبات میں صرف اپنے میکے والوں کو بلایا کرتی تھیں۔ اب یک دم جب سب کو اس تقریب کے لیے بصد اصرار بلایا گیا تو حیرت تو ہونی ہی تھی۔

اس حیرت میں اس وقت کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا۔ جب اظفر بھی تائی کے ساتھ اس تقریب کی دعوت دینے آیا اور اس نے میری اس دن کی بات جتاتے ہوئے کہا کہ اب تو مجھے اس کے گھر آنا ہی چاہیے۔

اظفر صاحب کی اس کایا پلٹ پر میں کافی حیران ہوئی تھی۔ کہاں یہ عالم کہ وہ بات کرنے پر تیار نہیں اور کہاں یہ عالم کہ اپنے گھر آنے کے لیے اصرار کیا جا رہا ہے۔ اس وقت تو میں نے اسے ایک Good will gesture کے طور پر لیا اور اظفر سے یہی کہا کہ میں میلاد میں آؤں گی مگر میرا وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ان دنوں میرے سمسٹر ہو رہے تھے اور میرے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ میں پڑھائی کے علاوہ کسی اور جانب توجہ دیتی۔

مگر میرے لیے ابھی حیرانی کے بہت سے جھٹکے باقی تھے۔ میں میلاد والے دن اپنی ایک بہن کے ساتھ گھر پر ٹھہر گئی۔ امی کو تایا کے گھر گئے ابھی صرف ایک گھنٹا ہی ہوا تھا، جب دروازے پر دستک ہوئی اور دروازہ کھولنے پر میں نے اظفر صاحب کو وہاں موجود پایا۔

''آپ ہمارے گھر کیوں نہیں آئیں؟'' میرے دروازہ کھولتے ہی اس نے کہا تھا۔

مجھے اظفر کو دیکھ کر جتنی حیرت ہوئی تھی، اس کے سوال کو سن کر اس سے زیادہ حیرت ہوئی۔

''کیا یہ صرف یہ پوچھنے آیا ہے کہ میں میلاد پر کیوں نہیں آئی اور اگر ایسا ہے تو آخر کیوں؟'' اس سے پہلے کہ میں اپنے ذہن میں ابھرنے والا یہ سوال دہراتی میری بہن وہاں آگئی۔

''میں گھر کے کسی کام کے لیے یہاں سے گزر رہا تھا، آپ دونوں کا خیال آیا تو پوچھنے چلا آیا۔'' اس نے سلمٰی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ اظفر بھائی آپا کے تو سمسٹرز ہو رہے ہیں اور مجھے رات کے لیے کھانا پکانا تھا اس لیے میں نہیں آسکی۔'' سلمٰی نے کچھ معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ وہ پھر زیادہ دیر وہاں ٹھہرا نہیں اور چلا گیا۔

''آپا، یہ اظفر بھائی کچھ عجیب سے نہیں ہو گئے، صرف ہمارے نہ آنے پر یہ پوچھنے آ گئے ہیں۔ حیرانی کی بات نہیں؟'' سلمٰی نے اندر جاتے ہوئے مجھ سے کہا۔ میں اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے کچھ فکرمند انداز میں اظفر کی اس حرکت کی وجہ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

تیسرے دن میری فکر میں اس وقت کچھ اور اضافہ ہو گیا، جب میں نے یونیورسٹی سے واپس آتے ہوئے بس اسٹاپ پر اسے اپنی گاڑی

سمیت موجود پایا۔

''میں ادھر سے گزر رہا تھا، آپ کو دیکھا تو رک گیا۔'' اس نے ایک بار پھر وہی جملہ دہرایا تھا۔ اظفر خود کو جتنا بامروت اور بالحاظ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ اتنا بالحاظ اور بامروت نہیں تھا۔ آج تک اس سمیت اس کے گھر والوں نے کبھی ہمارے پورے خاندان پر لفٹ جیسی نوازش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اب ایک دم ایسی کون سی بات ہوگئی تھی کہ وہ اتنا مہذب بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اتنی بے وقوف اور کم عمر نہیں تھی کہ اس کی بات پر یقین کر لیتی اور واقعی یہ سمجھتی کہ وہ گزرتے گزرتے مجھے دیکھ کر رک گیا ہے۔ پہلی دفعہ میں نے یہ طے کیا کہ مجھے اس کے ساتھ اپنی گفتگو کا انداز بدلنا پڑے گا۔

میں بس اسٹاپ پر تماشا نہیں بننا چاہتی تھی اس لیے خاموشی کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی مگر اس وقت مجھے اس پر اتنا غصہ آ رہا تھا کہ میرا جی چاہا، میں اسے ایک جھانپڑ رسید کر کے اس کی طبیعت صاف کر دوں۔ وہ رستے میں مجھ سے گفتگو کرنے کی کوشش کرتا رہا اور میں اپنی ہوں ہاں کے ذریعے اس کی ان کوششوں پر پانی پھیرتی رہی۔

گھر پہنچنے پر میں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی کیونکہ اس طرح اس کا مجھے گھر کے باہر چھوڑ جانا کوئی مناسب بات نہیں تھی۔ وہ میری اس دعوت پر خاصا خوش نظر آیا تھا اسے اندر بلا کر میں اسے کمپنی دینے کے بجائے امی کے حوالے کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں اب واقعی اس پر یہ جتا دینا چاہتی تھی کہ مجھے اس کی حرکت بہت بری لگی ہے کیونکہ میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ آئندہ بھی اس طرح یونیورسٹی پہنچ جائے۔

میرا یہ رویہ بار آور ثابت ہوا تھا اور اظفر کو دوبارہ یونیورسٹی آنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ میں اس کے ساتھ کوئی جھگڑا مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس طرح خواہ مخواہ خاندان میں فضول چہ میگوئیاں شروع ہو جاتیں اور یہ میرے لیے مناسب نہ ہوتا۔

اس واقعے کے بعد اظفر ہمارے گھر بھی نہیں آیا اور میرے لیے یہ بات بھی باعث اطمینان تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے دل یا دماغ میں اگر کوئی فضول بات تھی بھی تو میرے رویے سے ختم ہوگئی ہوگی، یہی وجہ تھی کہ ڈیڑھ ماہ کے بعد جب میں نے اسے چھوٹے تایا کی بیٹی کی مہندی کی تقریب میں دیکھا تو میں نے خاصی خوش دلی کے ساتھ اس کا حال احوال پوچھا۔ ظاہر ہے، میری اور اس کی کوئی دشمنی تو نہیں تھی کہ میں اس سے بات بھی نہ کرتی، نہ ہی اس نے کوئی ایسا کام کیا تھا جس پر اسے معاف نہ کیا جا سکتا۔ وہ ویسے بھی میرا کزن تھا۔

مگر میرا خیال ہے کہ یہ میری غلطی تھی۔ اب جب مجھے اس کا احساس ہوتا ہے تو میں سوچتی ہوں کہ میں لوگوں کو پرکھنے میں خاصی غیر محتاط تھی۔ بہرحال اسی تقریب میں میں اپنی کزنز کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی، جب اظفر میرے پاس آیا۔

''فاطمہ، مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے؟'' اس نے بہت مہذب انداز میں کہا۔

''جی کہیے۔'' میں نے بھی اسی روانی سے جواب دیا، وہ کچھ ہچکچایا۔

''یہاں نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''مجھے علیحدگی میں آپ سے بات کرنی ہے۔''اس نے کہا۔ میں چند لمحے سوچتی رہی اور پھر کندھے اچکا کر اس کے ساتھ چل پڑی ٹینٹوں کے پیچھے ایک سنسان جگہ پر جا کر اس نے مجھ سے جو بات کہی تھی، اس نے میرے پیروں تلے سے زمین غائب کروا دی تھی۔ مجھے قطعاً توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرے گا اور پھر شادی کی آفر بھی کر دے گا۔

چند لمحے تو میں اس کی بات سمجھ ہی نہیں پائی اور جب سمجھ سکی تو مجھے جیسے آگ لگ گئی۔

''مجھے تمہاری محبت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، میں احتشام کی منگیتر ہوں اور چند ماہ بعد ہماری شادی ہو جائے گی، میرے لیے یہی کافی ہے۔'' میں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ وہ میری بات پر ایک دم غصے میں آ گیا۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا اور ہوگا تو میرے مرنے کے بعد ہی ہوگا۔'' مجھے اس کی بات سن کر اور غصہ آیا۔

''ٹھیک ہے تو پھر مر جاؤ۔'' میں نے خاصی بے رحمی سے کہا۔ میری بات نے اسے اور مشتعل کیا۔

''میں نے زندگی میں صرف ایک لڑکی سے محبت کی ہے اور وہ تم ہو اور تمہارا خیال ہے، میں تمہیں کسی اور سے منسوب ہونے دوں گا؟'' مجھے اس کی ہٹ دھرمی پر غصہ آیا۔

''یہ بات میں اگر احتشام سے کہہ دوں تو وہ بھی تمہیں شوٹ کر دے گا۔''

''اس سے پہلے میں اسے شوٹ کر دوں گا۔ وہ کیا چیز ہے؟ آخر ہے ہی کیا اس میں؟'' اس کی بکواس مسلسل جاری تھی۔

''وہ ہر لحاظ سے تم سے بہتر ہے، تم تو اس کے پاؤں کے جوتے کے برابر بھی نہیں ہو۔'' میں نے اپنی بات پر اس کی آنکھوں میں خون اترتے دیکھا مگر مجھے اس وقت اس سے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے انگلی اٹھا کر اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تمہاری شادی اگر کسی سے ہوگی تو مجھ سے ہوگی فاطمہ۔ یہ بات لکھ لو، چاہے تمہاری خوشی سے ہو یا زبردستی۔''

''اس سے پہلے میں خودکشی کر لوں گی۔'' اس کی باتیں اب میری برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھیں۔ میں وہاں سے آنے لگی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اور میں تمہیں مرنے کبھی نہیں دوں گا۔''

مجھے اس کی اس حرکت پر کرنٹ لگا تھا۔ میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اتنی دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرے گا۔ اس وقت میرا دل چاہا، میرے پاس ایک پسٹل ہوتا اور میں اسے شوٹ کر دیتی۔ میں نے اس سے کہا۔

''میں تمہارے منہ پر تھپڑ مارنا نہیں چاہتی اس لیے میرا ہاتھ چھوڑ دو۔'' مگر میری بات پر اس نے میرا ہاتھ چھوڑنے کے بجائے اسے اور مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔

''میں لڑکیوں سے تھپڑ کھانا پسند بھی نہیں کرتا۔'' میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اپنا ہاتھ واپس کھینچا مگر اس کی گرفت بے حد مضبوط تھی۔ میں کھول کر رہ گئی اور پھر ایک دم میں نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے اس کے ہاتھ کی پشت پر پوری قوت سے دانت گاڑ دیے۔ اس

وقت میں نے کسی لحاظ اور نرمی کا مظاہرہ نہیں کیا، میں اسے زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچانا چاہتی تھی۔ اس نے یک دم گھبرا کر میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''تم میری توقع سے کہیں زیادہ ذلیل ہو۔'' میں اسے یہ کہہ کر وہاں سے چلی آئی۔

میرا خیال تھا، اس کے لیے اتنا ڈوز کافی ہوگا مگر وہ انتہائی ڈھیٹ ثابت ہوا۔ شادی کے باقی تمام فنکشنز میں وہ نہ صرف شامل ہوا بلکہ جہاں بھی اس کا مجھ سے سامنا ہوتا، وہ بڑی خوش دلی سے مسکراتا۔ میں نے اس واقعے کا گھر میں کسی سے ذکر نہیں کیا تھا کیونکہ میں خاندان میں کسی تفرقے کا باعث نہیں بننا چاہتی تھی مگر میرا دل چاہتا تھا کہ میں اسے جی بھر کے صلواتیں سناؤں، شاید تب ہی اس کو تھوڑی شرم محسوس ہو۔

شادی کے چند دن بعد تک میں اس واقعے سے خاصی ڈسٹرب رہی مگر شاید یہ پریشانی کا آغاز تھا کیونکہ آگے چل کر میرے ساتھ جو کچھ ہونا تھا، وہ میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے زندگی میں بہت سے خود غرض اور گھٹیا لوگ دیکھے تھے مگر جس دن بڑے تایا اور تائی اظفر کا رشتہ میرے لیے لے کر آئے، اس دن مجھے اندازہ ہوا کہ خود غرضی اور گھٹیا پن کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں ہوتی، بس آدمی کا بے ضمیر ہونا شرط ہے۔ آپ خود سوچیے اگر آپ اپنے بیٹے کا رشتہ کسی ایسی لڑکی کے لیے لے کر جائیں جو پہلے ہی کسی سے منسوب ہو اور چند ماہ بعد اس کی شادی بھی ہونے والی ہو اور آپ یہ سب کچھ جانتے بوجھتے کریں صرف اپنے بیٹے کو خوش کرنے کے لیے تو وہ لڑکی آپ کے بارے میں کیا سوچ سکتی ہے۔

میں یہ سب کچھ جان کر جتنا شاکڈ ہوئی تھی، میرے ماں باپ اس سے زیادہ ہوئے تھے۔ چند لمحوں کے لیے میرے ابو تایا کی بات پر کچھ بول ہی نہیں سکے تھے، شاید انھیں یقین نہیں آیا ہوگا کہ جو کچھ وہ سن رہے تھے، وہ صحیح بھی تھا یا نہیں۔

''بھائی جان، میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔ آپ جانتے ہیں نا کہ فاطمہ کی منگنی احتشام سے ہو چکی ہے۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میرے ابو نے بڑے تایا سے پوچھا۔ میں کچن میں موجود تھی اور وہاں سے تمام آوازوں کو سن سکتی تھی۔

''میں جانتا ہوں لیکن مجبور ہوں، اظفر کی خواہش ہے کہ فاطمہ کی شادی اس سے ہو۔'' تایا کا لہجہ کچھ دھیما تھا۔

''اگر اس کی ایسی کوئی خواہش تھی تو آپ لوگوں کو اس وقت بات کرنی چاہیے تھی، جب ہم لوگوں نے فاطمہ کا رشتہ ابھی کہیں طے نہیں کیا تھا۔ اس وقت تو بھابی جگہ جگہ فاطمہ کی برائیاں کیا کرتی تھیں۔ اب جب ہم اس کی شادی کرنے والے ہیں تو آپ لوگوں کو خیال آ گیا ہے کہ آپ کے بیٹے کو فاطمہ پسند ہے۔'' میری امی نے غصے میں ان سے کہا تھا۔

''تمھیں میری جس بات سے بھی تکلیف پہنچی ہو، میں اس کے لیے تم سے معذرت کرتی ہوں مگر یقین کرو، اظفر نے پہلے کبھی فاطمہ کا ذکر نہیں کیا ورنہ میں بڑی خوشی سے فاطمہ کو اپنی بہو بناتی۔'' میں نے پہلی بار تائی کے لہجے میں رعونت کے بجائے التجا دیکھی اور مجھے اس التجا سے بھی اتنی ہی گھن آئی جتنی ان کی رعونت سے آتی تھی۔

''جو بھی ہو، بہرحال فاطمہ احتشام سے منسوب ہے اور اس کی شادی وہیں ہوگی۔'' میں نے ابو کو کہتے سنا۔

''نواز، میں تمھارا بڑا بھائی ہوں اور بڑا بھائی باپ کی جگہ ہوتا ہے میں تمھارے سامنے اپنی جھولی پھیلا رہا ہوں، تمھیں کچھ تو احساس ہونا

چاہیے۔‘‘میں نے تایا کو گڑگڑاتے سنا تھا۔

’’بھائی جان، احساس صرف مجھے کیوں ہونا چاہیے کیا آپ کو احساس نہیں ہے کہ جو آپ چاہ رہے ہیں، وہ کتنی نامناسب بات ہے، احتشام بھی میرے بڑے بھائی کی اولاد ہے پھر میں اس کے ساتھ زیادتی کیسے کروں، آپ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچیں۔‘‘میں نے ابو کو پہلی بار بڑے تایا سے بلند آواز میں بات کرتے سنا۔

’’میں سب کچھ سمجھتا ہوں نواز مگر میں مجبور ہوں۔ اظفر میرا اکلوتا بیٹا ہے اور وہ اس رشتے پر بضد ہے۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ خودکشی کر لے گا۔ تم اس باپ کے جذبات سمجھ سکتے ہو جس کا ایک ہی بیٹا ہو۔‘‘

’’بھائی جان، میں آپ کی مجبوری سمجھتا ہوں لیکن میں فاطمہ کی شادی اظفر سے نہیں کر سکتا۔ فاطمہ کے علاوہ اظفر میری جس بیٹی سے شادی کرنا چاہیے گا، میں بغیر کسی تامل کے اس کے ساتھ اس کی شادی کر دوں گا۔‘‘

میں نے ابو کی بات پر تایا کو خاموش ہوتے دیکھا پھر اس کے بعد ان میں کیا باتیں ہوئیں، میں نہیں جانتی کیونکہ میں غصے کے عالم میں کچن سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

تایا اور تائی بہت دیر تک ہمارے گھر بیٹھے رہے۔ جب وہ واپس گئے تو ہمارے گھر پر ایک عجیب سی اداسی طاری ہو گئی تھی۔ میں مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم سمجھ رہی تھی۔ امی مسلسل اظفر اور تائی تایا کے خلاف بلند آواز میں بول کر اپنا غصہ نکال رہی تھیں اور ابو الگ پریشانی کے عالم میں برآمدے کے چکر لگا رہے تھے۔ انہیں یقیناً اپنے بڑے بھائی کو خالی ہاتھ بھیجنے کا افسوس ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی خود غرضی کا دکھ بھی ہو گا۔ میری بہنیں اور بھائی ایک عجیب سی خاموشی کے ساتھ اپنے سارے کام انجام دے رہے تھے اور میں اپنے دل میں اظفر کو ایک سے بڑھ کر ایک شان دار گالی سے نواز رہی تھی۔

مجھے امید تھی کہ اتنے واضح انکار کے بعد تایا اور تائی ہمارے گھر دوبارہ کبھی آئیں گے اور نہ ہی اظفر صاحب سے دوبارہ میرا سامنا ہو گا مگر یہ میری غلط فہمی تھی۔ اظفر کے بقول کچھ لوگ مستقل مزاج ہوتے ہیں، آپ مستقل مزاج کی جگہ ڈھیٹ کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں۔ میں ان دونوں کے بجائے ایک اور ’’موزوں‘‘ لفظ استعمال کرتی ہوں۔

مجھے یاد ہے، تایا اور تائی کے اس دن ہمارے گھر آنے کے بعد یہ چوتھا یا پانچواں دن تھا، جب اظفر میرے ڈیپارٹمنٹ آ دھمکا تھا۔ میں کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد باہر نکلی اور میں نے اسے کوریڈور میں پایا۔ چند لمحوں کے لیے تو مجھے یقین نہیں ہوا کہ وہ یہاں بھی پہنچ سکتا ہے۔ وہ مجھے ساکت دیکھ کر خود ہی میری طرف بڑھ آیا۔

اس وقت پہلی بار میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس شخص سے کیا کہوں آپ خود سوچیے میری جگہ آپ ہوں تو آپ کا ردعمل کیا ہو سکتا ہے۔ میں بھی غصے اور بے بسی کے عالم میں اسے اپنی طرف آتا دیکھتی رہی۔ میرے پاس آ کر اس نے کہا۔

’’میں جانتا ہوں، مجھے یہاں دیکھ کر تمھیں بہت غصہ آ رہا ہو گا مگر مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے اسی لیے مجھے یہاں آنا

پڑا۔'' وہ میرے قریب آ کر اتنے مہذب انداز میں بات کر رہا تھا، جیسے میرے اور اس کے درمیان گہری دوستی ہو۔

''یہ وہی ضروری بات ہو گی جس کا جواب تمہارے ہاتھ پر ہے۔'' میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ وہ یک دم کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''کیا ہم ساری گفتگو یہیں کریں گے؟'' اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں تم مر جاؤ، میں تمہاری قبر پر آؤں گی تو باقی باتیں وہاں کر لیں گے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ وہ اب بھی متاثر نہیں ہوا۔

''آج میں تم سے آخری بار چند باتیں کرنے آیا ہوں۔ اس کے بعد تم دوبارہ کبھی مجھے نہیں دیکھو گی، یہ میرا وعدہ ہے اس لیے میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم آخری بار میری چند باتیں ٹھنڈے دل و دماغ سے کسی غصے کے بغیر سن لو۔'' اس نے یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

میں چند لمحے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے آؤ۔'' وہ میرے ساتھ یونیورسٹی کے لان میں ایک ایسی جگہ آ گیا جہاں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ ''ہاں اب کہو۔'' میں نے بنچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ بھی بنچ کے دوسرے کنارے پر بیٹھ گیا۔

''دیکھو فاطمہ، میں نہیں جانتا، محبت کے بارے میں تمہارے کیا نظریات ہیں مگر میرے نزدیک محبت بہت بڑی حقیقت ہے اور......'' میں نے بے زاری سے اس کی بات کاٹ دی۔

''اظفر صاحب، میں محبت کے بارے میں آپ سے کوئی لیکچر سننے نہیں آئی جس سے میرے علم میں اضافہ ہو، آپ مجھ سے ٹو دی پوائنٹ بات کریں۔'' وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''میں نے اپنے والدین کو تمہارے گھر بھیجا تھا، کیا یہ میری سچی محبت کا ثبوت نہیں ہے۔''

''نہیں، یہ آپ کی کمینگی اور گھٹیا پن کا ثبوت ہے۔'' اس کا چہرہ دیکھ کر میں اندازہ لگا سکتی تھی کہ میرا جملہ اسے خاصا ناگوار گزرا ہے۔

''جو آدمی کسی لڑکی کو پسند کرنے کے بعد اس کے گھر اپنا رشتہ بھیجے تو کیا یہ اس کی شرافت کا ثبوت نہیں ہے؟''

''جو آدمی اپنے فرسٹ کزن کی منگیتر پر نظر رکھے اور اس پر ڈورے ڈالنے میں ناکام ہو کر اس کے گھر رشتہ بھیجے، وہ کم از کم میری ڈکشنری کے مطابق شریف نہیں کہلاتا۔'' میں نے اسے دوبدو جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میرا کوئی فرسٹ کزن ہے، نہ میں تمھیں کسی کی منگیتر سمجھتا ہوں۔''

''اگر میں احتشام کی منگیتر کے بجائے اس کی بیوی ہوتی اور تمہارے بقول تمھیں مجھ سے محبت ہو جاتی تو کیا پھر بھی تم مجھے اسی طرح شادی کا پروپوزل دے رہے ہوتے؟''

''ہاں اگر مجھے تم سے اتنی محبت ہو جاتی، جتنی اب ہے تو میں ایسا ہی کرتا۔''

''بھئی، بہت ہی بے غیرت ہیں آپ...... بلکہ جتنا میں سوچ رہی تھی، اس سے زیادہ بے غیرت ہیں۔'' وہ بہت دیر تک سرخ چہرے کے ساتھ مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے انگلی اٹھا کر مجھ سے کہا۔

''میرے لیے یہ لفظ دوبارہ استعمال مت کرنا فاطمہ۔''

''ورنہ تم کیا کرو گے؟''میں اس کے لہجے سے خوف زدہ نہیں ہوئی۔

''میں جو کچھ کر رہا ہوں، مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔جس چیز سے محبت ہو، اسے آپ اپنےPossession(ملکیت) میں رکھنا چاہتے ہیں۔یہ برداشت نہیں کرتے کہ وہ چیز کسی دوسرے کے پاس چلی جائے۔''

''مگر میں کوئی چیز نہیں ہوں اور میں اس کے پاس جانا چاہتی ہوں جس سے مجھے محبت ہے۔''

''احتشام سے محبت ہے تمھیں؟ اس کے پاس جانا چاہتی ہو؟''اس کے لہجے میں آگ تھی اور اس وقت میں جان نہیں پائی تھی کہ اس آگ کی لپیٹیں کہاں کہاں پہنچ سکتی ہیں۔

''ہاں، اسی کے پاس جانا چاہتی ہوں اور ہاں، مجھے اس سے محبت ہے۔''

''دنیا کا کوئی شخص تمھیں مجھ سے زیادہ نہیں چاہ سکتا۔''

''پھر بھی مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''میں جیسے ضد میں آ گئی تھی۔

''میں پوری دنیا تمھارے قدموں میں لا کر پھینک سکتا ہوں۔''

''میں ایسی ہر چیز کو ٹھوکر مار دوں گی۔''

''احتشام تمھیں کچھ نہیں دے سکتا۔''

''مجھے اس سے کچھ چاہیے بھی نہیں، میرے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ میرے ساتھ ہو۔''

''جو لوگ محبت کو ٹھکرا دیتے ہیں، وہ بہت پچھتاتے ہیں۔''

''ہاں اسی لیے میں احتشام کی محبت کو ٹھکرا نہیں رہی۔''

''احتشام تم سے میرے جیسی محبت نہیں کر سکتا۔''

''وہ جیسی بھی محبت کرتا ہے، مجھے کافی ہے۔''

''میرے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے کسی چیز کو اتنا چاہا ہو اور پھر بھی نہ پایا ہو۔''

''آج کے بعد تم کبھی کسی سے یہ نہیں کہہ پاؤ گے۔''مجھے آج بھی اس کے ساتھ ہونے والی اپنی گفتگو کا ایک ایک لفظ یاد ہے۔وہ یک دم خاموش ہو گیا تھا پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے کہا۔

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ آج کے بعد میں دوبارہ کبھی تمھارے راستے میں نہیں آؤں گا۔تم اس سارے واقعے کو میری ایک حماقت سمجھ کر بھول جانا اور میرے لیے اپنا دل صاف کر لینا۔تم اگر میرے لیے اپنے دل میں کوئی جگہ نہیں رکھتیں تو مجھے تم پر زبردستی کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔تمھیں حق ہے، تم جس کو چاہو، اپنی زندگی کے ساتھی کے طور پر چنو۔کیا میں یہ سمجھوں کہ تم نے میری طرف سے اپنا دل صاف کر لیا ہے؟''اس نے اتنی تیزی سے پینترا بدلا کہ میں ہکا بکا رہ گئی۔

''کیا چیز ہو تم اظفر، ابھی تم کیا کہہ رہے تھے؟ ابھی تم کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

''میں بکواس کر رہا تھا، تم بھی اسے بکواس سمجھ کر بھول جاؤ'' اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اس سے جان چھڑانے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''میری طرف سے اگر تمھیں کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔'' وہ بھی کھڑا ہو گیا پھر اس نے مجھے خدا حافظ کہا اور چلا گیا۔

اس دن گھر واپسی پر میں بہت خوشگوار موڈ میں تھی۔ میرا خیال تھا، اب سارا مسئلہ حل ہو گیا ہے مگر یہ میری خوش فہمی تھی۔ بہر حال اس دن کم از کم مجھے یونہی لگا تھا۔ میں نے اپنی امی کو بھی اظفر سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں بتایا اور انھوں نے بھی سکون کا سانس لیا۔

رات کو تایا اور تائی ہمارے گھر آئے اور انھوں نے ابو اور امی سے اظفر اور اپنی طرف سے معذرت کی۔ میرے والدین نے بڑی خوش دلی سے انھیں معاف کر دیا۔ ہمارے گھر میں یک دم جیسے پہلے والا سکون لوٹ آیا تھا۔

اگلے چند ماہ زندگی خاصی مصروف رہی۔ اظفر والے معاملے سے نمٹنے کے بعد میں دوبارہ اپنی اسٹڈیز میں جت گئی۔ اب میں فائنل ایئر میں تھی اور مجھے بہت محنت کرنی تھی پریویس کی طرح فائنل میں بھی اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے۔

انہی دنوں میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ احتشام کو اسکالرشپ ملا تھا، ایم فل کے لیے اور وہ شادی کر کے جانا چاہتا تھا۔ اس کا پروگرام یہ تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنے کے بعد باہر چلا جائے گا اور پھر میں فائنل ایگزامز سے فارغ ہو کر اس کے پاس چلی جاؤں گی۔ بعض پلاننگز صرف پلاننگز ہی رہتی ہیں۔ اس وقت میں بھی یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ بھی ایسی ہی ایک پلاننگ ہے۔

شادی سے ایک ماہ پہلے تک میں یونیورسٹی جا رہی تھی کیونکہ میں بہت زیادہ چھٹیاں افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

اس دن بھی معمول کے مطابق میں یونیورسٹی سے فارغ ہو کر پوائنٹ پر کھڑی تھی، جب ایک کار میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اس میں سے ایک لڑکے نے میرے قریب آ کر اپنی پشت پر چھپائی گئی ایک سیون ایم ایم نکالی اور بلند آواز میں اردگرد کے لوگوں کو وہاں سے بھاگ جانے کا کہہ کر ہوائی فائرنگ کی۔ چند سیکنڈز میں میرے اردگرد کوئی نہیں تھا۔ میں بالکل گنگ تھی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا پھر اچانک میں نے اپنے ناک اور منہ کے سامنے ایک رومال آتے دیکھا تھا۔ کوئی میرے پیچھے سے آیا تھا۔ چند لمحے سانس روکے میں نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی، اس کے بعد کیا ہوا، مجھے یاد نہیں۔

ہوش میں آنے پر میں نے خود کو ایک تاریک کمرے میں پایا۔ چند لمحوں تک مجھے یونہی لگا، جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ آخر آل میرے ساتھ یہ سب کیسے ہو سکتا ہے؟ میرے ساتھ یہ سب ہونے کی تو کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ میرا ذہن اس صورت حال کو قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ بہت دیر تک میں ماؤف ذہن کے ساتھ سر پکڑے بیڈ پر بیٹھی رہی پھر آہستہ آہستہ میرے حواس بحال ہونے شروع ہو گئے۔

میں نے سب سے پہلے اٹھ کر کھڑکیوں کے پردے ہٹا کر باہر جھانکا۔ باہر لان تھا اور اس کے گرد موجود چار دیواری نے مجھے یہ اندازہ

لگانے نہیں دیا کہ میں کہاں ہوں۔ میں نے کمرے کے دروازے کو جا کر چیک کیا، وہ حسب توقع بند تھا۔ کمرے میں ایک دوسرا دروازہ باتھ روم کا تھا۔ میرے اعصاب آہستہ آہستہ شل ہو رہے تھے۔ گھڑی شام کے پانچ بجا رہی تھی اور میں جانتی تھی، اس وقت تک میری گمشدگی گھر والوں کے علم میں آ چکی ہو گی اور وہ لوگ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔

رات کے آٹھ بجے کمرے کا دروازہ کھلا اور میں برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ آنے والا وہی لڑکا تھا جس نے ہوائی فائرنگ کی تھی۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جسے اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر لا کر رکھ دیا۔

''تم کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟'' اس کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔

''میں کون ہوں، یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔ کیوں لایا ہوں، یہ بھی میں نہیں جانتا مگر یہاں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آپ یہاں بے فکر ہو کر رہ سکتی ہیں، بالکل اپنے گھر کی طرح۔ دو تین دن بعد میں آپ کو واپس چھوڑ آؤں گا۔'' اس نے بے حد احترام سے کہا۔

''دو تین دن بعد؟ تم جانتے ہو، میرے خاندان پر کیا گزر رہی ہو گی؟'' میں نے اس کے نرم لہجے سے شہ پا کر کہا۔

''میں اس معاملے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا، آپ کو چند دن یہیں رہنا ہے۔'' اس بار اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

''لیکن آخر کیوں؟ میں نے ایسا کیا کیا ہے؟ تم مجھے کس کے کہنے پر یہاں لائے ہو؟'' میں نے اس بار قدرے تیز آواز میں اس سے پوچھا۔

وہ جواب دینے کے بجائے کمرے سے نکل گیا۔ مجھے بے اختیار رونا آیا مگر رونے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے آنسو مجھے وہاں سے نکال نہیں سکتے تھے۔ میں نے اپنے منتشر اوسان اور حواس پر ایک بار پھر سے قابو پانے کی کوشش شروع کر دی۔ میرے اس طرح غائب ہونے سے میرے گھر والوں پر جو کچھ گزر رہی ہو گی، میں اس کا اندازہ لگا سکتی تھی مگر کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ نہ ہی میں اپنے اغوا جیسی حقیقت کو بدل سکتی تھی۔ واحد چیز جو میں کر سکتی تھی، وہ اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کو طے کرنا تھا اور وہ میں کر رہی تھی۔

اس رات بیٹھ کر میں صرف یہ جاننے کے لیے سرگرداں رہی کہ مجھے کس کے کہنے پر اغوا کیا گیا ہے اور اغوا کرنے والا کیا چاہتا ہو گا۔ میں نے ہر ممکنہ نام پر غور کیا تھا اور پھر میرا ذہن اظفر کے نام پر ٹھہر گیا تھا۔ حالیہ کچھ عرصے میں وہ واحد شخص تھا جس کے ساتھ میری تلخ کلامی ہوئی مگر یہ میرا ذہن یہ قبول نہیں کر پا رہا تھا کہ معذرت کرنے کے بعد اس نے ایسا قدم اٹھایا ہو گا مگر اس ایک نام کے سوا کوئی اور شخص نہیں تھا جو میرے ساتھ ایسا کرتا۔ میں دیکھنا چاہتی تھی، اب میرے ساتھ آگے کیا ہوتا ہے؟

رات گزر گئی۔ اگلے دن میں قدرے زیادہ پرسکون تھی۔ وہی لڑکا صبح نو بجے کے قریب ایک بار پھر ناشتہ لے کر آیا۔

''مجھے صرف ایک بات بتا دو، تم مجھے کب چھوڑو گے؟'' میں نے اس سے کہا۔

''کل۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''کل کس وقت؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔''

''کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ مجھے کس نے اغوا کروایا ہے؟''

''نہیں۔''

''میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ مجھے کس نے اغوا کروایا ہے؟'' اس بار وہ میری بات پر چونک اٹھا۔

''کس نے اغوا کروایا ہے؟'' اس بار اس نے پوچھا۔ اب میں اپنے مہرے آگے بڑھانے کے لیے تیار ہو گئی۔ مجھے زندگی ایک چیس بورڈ پر ایسی جگہ لے آئی تھی جہاں نہ صرف مجھے ہر طرف سے ہونے والی مات سے بچنا تھا بلکہ اس بازی کو اپنے حریف پر الٹنا بھی تھا۔

''اس سے پہلے تم مجھے بتاؤ، کیا تم میرا نام جانتے ہو؟'' میں نے اپنا پہلا مہرہ آگے بڑھایا۔ وہ کچھ ہچکچایا۔

''ہاں۔''

''کیا نام ہے میرا؟''

''فاطمہ نواز۔ اب تم بتاؤ، تمہیں کس نے اغوا کروایا ہے؟'' اس نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔

''میرے کزن نے۔'' وہ چند لمحے کے لیے بالکل ساکت ہو گیا۔ میں اپنا دوسرا مہرہ آگے بڑھا چکی تھی۔

''کون سے کزن نے؟'' اس نے بے حد اضطراب کے عالم میں پوچھا۔

''احتشام نے۔'' میں اپنے مہرے کو بڑے آرام سے پیچھے لے آئی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

''تم جو چاہو سمجھ لو۔'' وہ کمرے سے نکل گیا۔ میں جو جاننا چاہتی تھی، جان چکی تھی۔ یہ کام اظفر کا تھا، مجھے اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔

اس رات میں نے کھانا بھی کھایا اور اگلے دن کے بارے میں اپنا پروگرام بھی طے کیا۔

آپ شاید حیران ہو رہے ہوں کہ میں ایک ایسی لڑکی ہو کر جسے اغوا کر لیا گیا ہو، اس طرح غیر جذباتی ہو کر بات کیسے کر رہی ہے۔ آپ کی حیرانی بجا ہے میری جگہ کوئی کمزور اعصاب کی لڑکی ہوتی تو وہ یقیناً اب تک رو رو کر ہلکان ہو چکی ہوتی۔ اپنے مستقبل کا سوچ سوچ کر وہ خوف سے کانپ رہی ہوتی ہے۔ اپنے گھر والوں کا تصور کر کے اس کا دماغ شل ہو گیا ہوتا مگر کیا آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ کر کے کیا حاصل ہوتا؟ جو کچھ ہو چکا تھا، میں اسے بدل نہیں سکتی تھی اور یہ سب میری کسی غلطی کی وجہ سے بھی نہیں ہوا تھا۔ آنسو کمزور آدمی بہاتا ہے یا وہ جسے پچھتاوا ہو۔ میرے ساتھ یہ دونوں ہی چیزیں نہیں تھیں۔ میں ایک ایسے مالک مکان کی طرح تھی جس کا مکان تباہ کر دیا گیا ہو مگر میں نے ملبے پر ماتم اور واویلا کرنے کے بجائے اس میں سے ان چیزوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا جو صحیح سلامت تھیں۔

اگلے دن وہ لڑکا ایک بار پھر صبح ناشتہ لے کر آیا۔

''مجھے آپ سے صرف ایک درخواست کرنی ہے کہ واپس چھوڑتے ہوئے میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جائیں مگر مجھے بے ہوش نہ کریں۔'' میں نے اس سے کہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

دوپہر کے وقت وہ دوبارہ آیا اور یہ دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ پٹی تھی۔ اس نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ اس کے بعد پہلے کی طرح مجھے ایک گاڑی میں بٹھایا گیا۔ بہت دیر گاڑی چلتی رہی پھر رک گئی۔ مجھے گاڑی سے اتار دیا گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے پٹی اتار دی۔ میں ایک ویران سڑک کے کنارے کھڑی تھی اور وہی گاڑی دور جا رہی تھی۔ نمبر نوٹ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ ایسی وارداتوں میں زیادہ تر چوری کی گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں اور ایسا نہ ہو تو بھی نمبر پلیٹ ضرور جعلی ہوتی ہے۔

بعض دفعہ آزادی پانے کے بعد آپ خود کو اور زیادہ قید میں محسوس کرتے ہیں۔ اس وقت میں نے بھی یہی محسوس کیا تھا۔ دو دن تک گھر سے غائب رہنے کے بعد...... میں نے اپنی آنکھوں کو گیلا محسوس کیا پھر میں نے اپنے دماغ سے ان سوچوں کو دوبارہ جھٹک دیا۔ میں جانتی تھی، اب مجھے آگے کیا کرنا تھا۔

کافی دور تک چلنے کے بعد مجھے ایک پی سی او نظر آیا۔ میرا بیگ میرے پاس ہی تھا اور اس میں کچھ روپے تھے مگر پی سی او میں جاتے جاتے میں ٹھٹک گئی۔ میرے ذہن میں اچانک ایک خیال آیا۔ میں سڑک پر دوبارہ چلنے لگی۔ کافی دور جا کر مجھے ایک ٹیکسی ملی۔ میں نے ٹیکسی کو پولیس اسٹیشن چلنے کے لیے کہا۔

پولیس اسٹیشن پہنچ کر میں کسی نہ کسی طرح ڈی ایس پی کے آفس بھی پہنچ گئی۔ میں نے بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنے ساتھ ہونے والا پورا واقعہ انھیں سنایا۔ اس کے بعد میں نے ان سے مدد کی درخواست کی۔ میں نے اپنے رویے سے شاید انھیں حیران کر دیا تھا اس لیے وہ فوراً میری مدد کو تیار ہو گئے۔ میں نے ان کے آفس سے اظفر کو فون کیا، فون ملازم نے اٹھایا۔ میں نے اسے اپنا اصل نام بتانے کے بجائے ایک فرضی نام بتایا اور اظفر سے بات کرانے کے لیے کہا۔ میں جانتی تھی، اظفر یقیناً اس وقت گھر ہوگا تاکہ یہ جان سکے کہ کیا ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے یا نہیں۔ ان لوگوں نے مجھے چھوڑنے کے بعد اظفر کو اطلاع ضرور دی ہوگی۔

اظفر فون پر میری آواز سن کر شاکڈ رہ گیا۔

''فاطمہ، تم کہاں سے بات کر رہی ہو؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے زندگی میں پہلی بار ایکٹنگ شروع کر دی۔ میں نے روتے ہوئے اسے فون پر بتایا کہ مجھے احتشام نے اغوا کروایا تھا اور جن لوگوں نے مجھے اغوا کیا تھا، انھوں نے میرے ساتھ بہت بدتمیزی اور بے ہودگی کی ہے۔ بہت دیر تک دوسری طرف اظفر کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ وہ یقیناً یہ سن کر سکتے میں آ گیا ہوگا۔

''میں تمھارے گھر آ رہی ہوں۔ میں احتشام کو شوٹ کرنا چاہتی ہوں اور مجھے ایک پسٹل کی ضرورت ہے اور وہ مجھے تم ہی دے سکتے ہو۔'' اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر میں نے فون بند کر دیا۔

اس کے بعد پہلے سے طے شدہ انتظامات کے تحت اظفر کے فون پر چیک رکھا گیا اور میرے فون کے بعد چند منٹ کے اندر اظفر نے جس نمبر پر کال کی، اسے نہ صرف ٹریس آؤٹ کر لیا گیا بلکہ اظفر کی کال بھی ریکارڈ کر لی گئی۔ اس نے اسی لڑکے کو کال کی تھی اور وہ اسے گالیاں دے رہا تھا،

جبکہ وہ لڑکا قسمیں کھا رہا تھا کہ اس نے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ اس نمبر کو ٹریس کرنے کے اگلے دس منٹ کے اندر اس جگہ کا ایڈریس بھی حاصل کر لیا گیا تھا۔ میں اپنے مہرے بڑی تیزی سے آگے بڑھا رہی تھی۔

اس کے بعد میں اظفر کے گھر پہنچ گئی۔ میں نے اسے گیٹ پر پایا اور وہ بے حد پریشان تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ اپنی گاڑی میں بٹھا کر مجھے اپنے گھر سے دور لے آیا اور پھر انتہائی پریشانی کے عالم میں اس نے مجھ سے اس بدتمیزی کی تفصیل پوچھی۔

''انھوں نے میرے ساتھ بہت بے ہودہ باتیں کیں، وہ مجھے چھیڑتے رہے۔''

''بس؟''

''تمہارا خیال ہے، یہ کچھ نہیں ہے؟'' میں اس پر بگڑنے لگی۔ اس کے چہرے پر یک دم اطمینان ابھر آیا تھا۔ ایک گہرا سانس لے کر اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی۔

''احتشام کو شوٹ کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ہوسکتا ہے، اس نے تمھیں اغوا نہ کروایا ہو، تمھیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو۔'' اس نے مجھ سے اس وقت کہا، جب میں نے اسے ایک پسٹل مہیا کرنے کے لیے کہا۔

''احتشام کی حمایت مت کرو۔ میں جانتی ہوں، یہ سب اس نے کروایا ہے۔ میں اس وقت تک اب اپنے گھر نہیں جاؤں گی، جب تک اسے جان سے مار نہیں دیتی۔'' میں چلائی۔

وہ مجھے سمجھانے لگا کہ اس وقت میرا گھر جانا کتنا ضروری ہے اور سب لوگ کس طرح میرے لیے پریشان ہیں۔ میں تھوڑی بحث کے بعد مان گئی۔

پھر وہ مجھے گھر لے آیا۔ پندرہ سال بعد بھی مجھے آج تک گھر پہنچنے پر اپنے گھر والوں کے تاثرات نہیں بھولے۔ سب لوگ مجھے دیکھ کر جیسے خوف زدہ ہو گئے تھے۔ دو دنوں میں، میں انسان سے بھوت بن گئی تھی۔ اظفر نے میرے ملنے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا، سوائے اس کے کہ میں احتشام پر اپنا شبہ ظاہر کر رہی ہوں مگر کسی کو بھی یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کسی وجہ کے بغیر اغوا کیا گیا تھا اور کوئی نقصان پہنچائے بغیر رہا کر دیا گیا۔

میں اپنے کمرے میں آ کر خاموشی سے بیٹھ گئی تھی اور پھر میں اس وقت تک خاموش رہی، جب تک سب لوگ اپنے گھروں کو چلے نہیں گئے۔ رات کو میں نے اپنے ابو کو کمرے میں اکیلے بلوایا اور انھیں سب کچھ بتا دیا۔

''کل آپ اپنے سب بھائیوں کو بلوایئے اور ان کے سامنے میری شادی احتشام سے کرنے کا فیصلہ سنایئے۔''

میں نے انھیں اپنے اگلے لائحہ عمل کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔

اگلے دن ایک بار پھر سب اکٹھے تھے اور میری زندگی کا فیصلہ کیا جا رہا تھا، جب میں اچانک ان کے درمیان چلی گئی اور میں نے احتشام سے شادی سے انکار کر دیا۔

پورے خاندان کے لیے یہ ایک شاک تھا اور میں نے سب سے زیادہ حیرت زدہ احتشام کو دیکھا۔ شاید اسے خواب میں بھی یہ توقع نہیں تھی

کہ میں اس طرح شادی سے انکار کردوں گی اور وہ بھی اس واقعے کے بعد۔ اسی کی طرح سارے خاندان والے بھی حیران تھے کہ میں نے اتنا سب کچھ ہونے کے بعد اس بات پر شکر ادا کرنے کے بجائے کہ احتشام ابھی بھی مجھ سے شادی پر تیار تھا، اس سے شادی سے انکار کر دیا۔ بس ایک شخص تھا جس کے چہرے پر اطمینان تھا، کیوں اطمینان تھا، اس کا خیال تھا کہ یہ بات صرف وہ جانتا ہے اور یہی اس کی خوش فہمی تھی۔ آپ کو یقیناً یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے نا کہ وہ شخص اظفر تھا۔

''مجھے احتشام سے شادی نہیں کرنی۔'' میں نے بہ آواز بلند کہا۔ ''آپ لوگوں نے ایک غلط شخص کے ساتھ میری نسبت طے کر دی تھی۔ میں اس شخص کے ساتھ کبھی زندگی نہیں گزار سکتی۔'' میں کہتی گئی۔

''کیوں احتشام کے ساتھ شادی کیوں نہیں کرنی......؟ اب تمہیں احساس ہو رہا ہے کہ تم اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتیں، پہلے تم نے کیوں کوئی اعتراض نہیں کیا؟''

''پہلے میں بے وقوف تھی۔ مجھے حقیقت کا پتا نہیں تھا، اب میں سب کچھ جان چکی ہوں۔'' احتشام بے یقینی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ شاید اسے مجھ سے اس رویے کی توقع نہیں تھی۔

''کیا جان چکی ہو تم؟'' ابو نے کہا۔

''یہ بتانا ضروری نہیں ہے، بس میں احتشام سے شادی نہیں کروں گی۔''

''احتشام سے شادی نہیں کرو گی تو کس سے شادی کرو گی؟'' ابو چلائے۔ میری آنکھوں میں آنسو آئے۔ میں نے اظفر کی طرف دیکھا، وہ بھی مجھے ہی دیکھ رہا تھا اور پھر میں نے کہا۔

''اظفر سے۔'' اظفر کو یقیناً اس وقت 440 وولٹ کا کرنٹ لگا ہوگا۔ وہ اپنی کرسی سے دو فٹ اونچا اچھلا تھا۔ اس کے چہرے کا اطمینان، رخصت ہو چکا تھا۔ ''ہاں، میں اظفر سے شادی کروں گی۔ صرف وہی ہے جو مجھے سمجھ سکتا ہے جو میرے ساتھ مخلص ہے، اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ آپ سب لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ آپ کے دلوں میں میرے لیے شک ہے۔ صرف وہ ہے جو میرے لیے ہمدردی رکھتا ہے۔'' میں نے زارو قطار آنسو بہاتے ہوئے کہا پھر میں نے اظفر کی طرف دیکھا جو منہ کھولے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''اظفر تم مجھ سے شادی کرو گے نا؟ تم تو مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ میں جانتی ہوں، تم دوسروں سے مختلف ہو۔ تم احتشام نہیں ہو۔''

میں نے چند لمحوں تک اسے چپ چاپ خود کو دیکھتے پایا اور پھر اس کی گردن اثبات میں ہل گئی اور تبھی تائی امی یک دم چلاتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔ ان کے ساتھ ساتھ تایا بھی غضب ناک انداز میں دہاڑنے لگے۔

''ٹھیک ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو یہ نکاح اسی وقت ہوگا۔ کیوں اظفر اسی وقت نکاح کرو گے؟'' میں نہیں جانتی، میرے، ابو نے کس حوصلے سے اظفر کو پکارا ہوگا، جبکہ ان کا دل چاہ رہا ہوگا کہ وہ اس کو قتل کر دیں۔ اظفر نے ایک بار پھر سر ہلا دیا۔

''میرے بھائی کو نکاح خواں کو لینے بھیج دیا گیا اور ابو تایا کو بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر لے گئے۔ ان سے پہلے احتشام اٹھ کر وہاں

سے جا چکا تھا۔ تائی امی مجھے گالیاں دے رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ وہ اظفر سے میری شادی کبھی نہیں ہونے دیں گی اور اظفر۔ اظفر بالکل چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا اور میں...... میں کیا کر رہی تھی؟ میں چیس بورڈ پر اپنے اگلے مہرے کی جگہ طے کر رہی تھی۔

دس منٹ بعد ابو کمرے میں تایا کے ساتھ داخل ہوئے۔ تایا کی دہاڑ ایک عجیب سی خاموشی میں بدل چکی تھی۔ تائی نے انھیں دیکھ کر واویلا شروع کر دیا مگر انھوں نے تائی سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ اگر اظفر یہی چاہتا ہے تو پھر مجبوری ہے، ہمیں اس کی بات مان لینی چاہیے۔'' ان کی بات پر تائی یقیناً بے ہوش ہوتے ہوئے بچی تھیں۔ انھوں نے اپنا واویلا جاری رکھا مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آدھے گھنٹے کے بعد میں نکاح نامے پر دس لاکھ مہر سکہ رائج الوقت کے عوض اظفر کو اپنا شوہر تسلیم کرتے ہوئے دستخط کر رہی تھی۔ دس لاکھ حق مہر پر وہ لوگ کیسے مانے۔ شاید یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تائی امی ناراض ہو کر میرے نکاح سے پہلے ہی گھر جا چکی تھیں۔ دوپہر بارہ بجے میں فاطمہ نواز سے فاطمہ اظفر بن کر اظفر کے گھر آ چکی تھی۔

آپ سب لوگ یقیناً اس وقت شاک کے عالم میں بیٹھے ہوں گے۔ آپ میں سے کچھ میری حماقت پر افسوس کر رہے ہوں گے اور کچھ میری بے وقوفی پر ملامت۔ جو باقی ہوں گے، وہ شاید مجھ پر طیش کھا رہے ہوں۔ بہر حال میں نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اس طرح کیوں کیا۔ احتشام سے شادی سے انکار کیوں کیا؟ اظفر سے شادی کیوں کی؟ اتنا فوری اور اچانک نکاح کیوں کیا؟ پھر فوراً ہی رخصتی کیوں کروائی؟ دس لاکھ کا مہر کیوں طے کروایا؟

''کیا میں پاگل ہو چکی تھی یا میرے حواس کام نہیں کر رہے تھے۔ حیرت ہوگی، شاید آپ کو یہ جان کر کہ اس وقت میرے حواس کسی بھی لڑکی سے زیادہ تیزی اور بہتر طریقے سے کام کر رہے تھے۔ میں نے ہر چیز سوچ سمجھ کر کی تھی۔ ہر قدم پوری احتیاط سے اٹھایا تھا۔ اپنے ہر مہرے کو آگے بڑھانے سے پہلے میں نے کم از کم دس بار سوچا تھا اور یقیناً کسی چیز پر دس بار سوچنے کے بعد وہ بھی ٹھنڈے دماغ سے آپ پھر غلطی تو نہیں کر سکتے مگر شاید آپ لوگ اس وقت تک ان تمام باتوں کو جان نہیں پائیں گے، جب تک میں آپ کو ان سوالوں کے جواب نہیں دوں گی تو چلیں شروع کرتی ہوں۔

احتشام سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ میں جن حالات سے گزری تھی، اس کے بعد اگر احتشام سے میری شادی ہو بھی جاتی تب بھی ہم دونوں اچھی زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔ مرد کے دل میں اگر ایک بار شک کا کانٹا گڑ جائے تو پھر ساری عمر وہ کانٹا گڑا ہی رہتا ہے۔ کسی طرح اسے نکال بھی دیا جائے، تب بھی یہ کانٹا اپنے پیچھے ایسا زخم چھوڑ جاتا ہے جس سے اٹھنے والی ٹیسیں نہ صرف خود اسے ساری عمر کے لیے بے حال رکھتی ہیں بلکہ عورت کو بھی لاچار کر دیتی ہیں۔

احتشام کچھ عرصہ شاید کسی نہ کسی طرح میرے ساتھ گزار لیتا مگر وہ اپنی زندگی میرے ساتھ نہیں گزار سکتا تھا۔ وہ آئیڈیلسٹ تھا۔ مجھے پسند کرنے کے باوجود وہ میرے ساتھ کبھی پرسکون زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ وہ اسکالرشپ پر باہر جا رہا تھا اور اس کے آگے ترقی کی ایسی راہیں کھلی ہوئی تھیں جن پر وہ میرے جیسی لڑکی کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا۔ اظفر کے ساتھ میں ایک اچھی اور پرسکون زندگی گزار سکتی تھی۔ بس مجھے کچھ چیزوں کو بھلانا پڑتا اور میں وہ کرنے پر تیار تھی۔ اظفر ساری عمر اسی احساس برتری میں رہتا کہ اس نے مجھے ایک مشکل وقت میں سہارا دیا، جبکہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ

مشکل وقت بھی اسی کا لایا ہوا تھا اس لیے کم از کم اس کے دل میں شک نہیں ہو سکتا تھا۔ جہاں تک محبت کی بات ہے تو وہ مجھ سے تھوڑی بہت محبت ضرور کرتا تھا اور یہ محبت کبھی ختم نہیں ہو سکتی تھی اس لیے وہ بڑی آسانی سے مجھے قبول کر سکتا تھا۔

آپ ہنس رہے ہیں نا، یہ سوچ کر میں بھی بس ایک عورت ہی نکلی۔ مجبور، بے بس، آخر میں محبت کی ''ہڈی'' پر سمجھوتا کر لینے والی اور حالات سے کمپرومائز پر مجبور۔ آپ غلط سوچ رہے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا میں اظفر سے صرف اس لیے شادی پر تیار ہو گئی کہ اس اغوا کے بعد وہ میرے لئے احتشام سے زیادہ اچھا اور بہتر ثابت ہو سکتا تھا اور کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ میں نے سب کچھ بھلا دیا تھا یا بھلانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آپ ایسا سوچ رہے ہیں تو آپ واقعی عورت کو نہیں جانتے۔

کوئی مرد اگر ایک ایسی عورت سے شادی کرے جو اغوا شدہ ہو تو کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کی معاشرے میں کتنی بے عزتی ہوتی ہو گی۔ اپنے دوستوں کے سامنے اسے کتنی وضاحتیں پیش کرنی پڑتی ہوں گی۔ پیٹھ پیچھے ہونے والی باتوں سے وہ کتنا خوف زدہ ہوتا ہو گا۔ میں نے اپنے چہرے پر مل جانے والی کالک کا آدھا حصہ اظفر کے چہرے پر بھی لگا دیا تھا اور اسے اس بات کا قطعاً احساس نہیں ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ میری اور احتشام کی بے عزتی ہو۔ اس کا خیال ہو گا کہ مجھ سے شادی کی صورت میں احتشام کبھی خاندان میں سر اونچا کر کے نہیں چل سکے گا اور شاید وہ مجھے بھی اذیت پہنچانا چاہتا تھا مگر میں نے یہ ذلت ایک خوبصورت ہار کی شکل میں اس کی گردن میں ڈال دی تھی۔

اظفر سے فوری نکاح کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ واپس گھر چلا جاتا تو یقیناً تائی کسی نہ کسی طرح اس کا ذہن تبدیل کر دیتیں یا ہو سکتا ہے، وہ خود ہی یہ ساری باتیں سوچنے لگتا۔ میرے آنسوؤں نے اسے جذباتی کیا تھا اور میں انہی جذبات کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ فوری رخصتی کی وجہ بھی یہی تھی۔

دس لاکھ کا حق مہر اظفر نے خود لکھ کر دیا تھا۔ جب میرے ابو نے اس سے کہا تو اس نے قطعاً کوئی چوں چرا نہیں کی۔ شاید وہ اعتراض کرتا اگر تایا یا ابو اعتراض کرتے مگر وہ بالکل خاموش تھے، وہ کیوں خاموش تھے۔ اب کیا یہ بات بھی آپ کو بتانی پڑے گی کہ ابو جب دس منٹ کے لیے انھیں کمرے سے باہر لے کر گئے تھے تو انھوں نے کیا کیا تھا۔ انھوں نے اس ڈی ایس پی سے ان کی بات کروائی تھی۔ جس نے اظفر کا پورا کارنامہ فون پر ان کے گوش گزار کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں اظفر کی ریکارڈڈ آواز بھی سنائی اور اس جرم کے سلسلے میں جو دفعہ اظفر پر عائد ہوتی تھی اور اس کے نتیجے میں جو سزا اسے مل سکتی تھی، اس سے بھی مطلع کیا۔ تایا یہ سب کچھ جان کر سکتے میں آ گئے تھے۔ مگر یہ سکتہ زیادہ دیر برقرار نہیں رہا۔ ان کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ انھوں نے ابو سے درخواست کی کہ وہ اظفر کی مجھ سے شادی کرنے پر تیار ہیں مگر وہ اس بات کو چھپائے رکھیں ورنہ تایا کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ابو نے بخوشی یہ بات مان لی اور ساتھ ہی تایا سے اس بات کا حلف لیا کہ وہ بھی اظفر سے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کریں گے کہ ان کو اس کے کارنامے کا پتا ہے۔

اب آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ میرے ابو یہ کیوں چاہتے تھے کہ وہ اس سلسلے میں اظفر سے بات نہ کریں، صرف اس لیے کہ اگر اظفر کو یہ پتا چل جاتا کہ اس کا راز افشا ہو چکا ہے اور میں نے اسے بے وقوف بنا کر شادی کی ہے تو پھر یقیناً ہم دونوں کے تعلقات پر اثر پڑتا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں نا کہ مرد کو اگر یہ احساس ہو جائے کہ عورت نے اسے بے وقوف بنا دیا ہے تو پھر وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح ہو جاتا ہے۔ کبھی بھی کسی

کو بھی ڈس سکتا ہے، خاص طور پر اس عورت کو جس سے اس نے چوٹ کھائی ہو۔ اظفر کے ساتھ بھی یہی ہوتا۔ تایا اس کے ساتھ بات کرتے اور پھر وہ کسی نہ کسی طرح مجھ سے جان چھڑا لیتا۔ آپ اندازہ کر ہی سکتے ہیں کہ شادی کے کچھ عرصے بعد طلاق کی صورت میں، میں اگر اظفر کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کرنا چاہتی تو اس کی کیا حیثیت رہ جاتی۔ ایک عورت شادی سے پہلے کیے گئے اغوا کے سلسلے میں اپنے ہی شوہر پر مقدمہ کرتی تو عدالت کس حد تک حمایت حاصل کر سکتی تھی۔ عدالت تو سب سے پہلے یہ پوچھتی کہ اگر اس نے مجھے اغوا کیا تھا تو پھر میں نے اس سے شادی کیوں کی اور تب یقیناً یہ سب دلائل جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہی ہوں، بوگس قرار دے دیے جاتے......تو اظفر سے سب کچھ چھپانے کی یہی وجہ تھی۔

آپ میں سے بہت سے احتشام کے لیے اپنے دل میں ہمدردی محسوس کر رہے ہوں گے اور اس الجھن میں گرفتار ہوں گے کہ میں نے اظفر کے سامنے اس اغوا کا الزام احتشام کے سر کیوں ڈالا۔ یہ ضروری تھا، اظفر، احتشام کو ناپسند کرتا تھا اور میرے اس الزام نے اس کی انا کی خاصی تسکین کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں احتشام سے مکمل طور پر بدگمان ہو گئی ہوں اور اسے اس بات کا یقین دلانا اس لیے ضروری تھا کیونکہ رہائی پاتے ہی میں طے کر چکی تھی کہ اب مجھے احتشام سے نہیں بلکہ اظفر سے شادی کرنا ہے اور پھر ظاہر ہے، مجھے احتشام کے بارے میں اظفر سے کچھ نہ کچھ تو ایسا کہنا تھا جس سے اسے یہ یقین ہو جاتا کہ میں اب احتشام کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ میرا مطلب ہے، اپنے اغوا کنندہ کے بارے میں۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ آپ کا کیا خیال ہے، کیا ہوا ہوگا؟ اظفر مجھ سے شادی پر بہت خوش تھا۔ میں نے اسے یہ یقین دلا دیا تھا کہ میں اس کی بہت زیادہ احسان مند ہوں کیونکہ اس نے زندگی کے ایسے لمحات میں میری مدد کی تھی، جب کوئی عام مرد میری مدد کبھی نہ کرتا۔ میں یہ ساری باتیں دن میں کئی کئی بار اس سے کہتی۔ اتنی بار کہ شاید وہ تنگ آ جاتا ہوگا اور پھر جب وہ مجھے کہتا کہ میں سب کچھ بھول جاؤں تو میں اس سے کہتی۔

''نہیں اظفر، ہر بات بھلانے والی نہیں ہوتی۔ کم از کم وہ سب کچھ تو ہرگز نہیں جو تم نے میرے ساتھ کیا۔'' اس کا چہرہ اس وقت یوں روشن ہو جاتا، جیسے کسی نے اس پر 1000 ووٹ کا بلب لگا دیا ہو اور میں اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچتی۔ ''اور جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا ہے، وہ تمھیں کتنا مہنگا پڑے گا۔ کاش اس کا تم کبھی اندازہ کر سکتے۔'' میری باتوں نے بیٹھے بٹھائے اسے راجہ اندر بنا دیا تھا اور میں چاہتی تھی، وہ خود کو راجہ اندر سمجھتا رہے، کم از کم اس وقت تک، جب تک وہ اپنا تخت و تاج میرے نام نہیں کر دیتا۔

تائی اماں نے میرے آنے پر خاصا ہنگامہ کھڑا کیا تھا مگر میں نے ان کے سامنے ایک فرمانبردار اور تابعدار بہو کا رول انتہائی مہارت سے ادا کیا۔ وہ مجھ سے جتنا خار کھاتیں، میں ان کی اتنی خاطریں کرتی۔ خاص طور پر تب جب اظفر اور تایا گھر پر ہوتے۔ شاید اس وقت کوئی مجھے دیکھتا تو ''ستی'' سے کم کا درجہ نہ دیتا اور تایا اور اظفر نے مجھے یہی درجہ دے دیا تھا مگر میں ''ستی'' نہیں تھی اور نہ ہی مجھے ایسا کوئی شوق تھا۔ تائی میرے بارے میں جو بے ہودہ بات کہتیں، میں اس کے ساتھ دس اس سے زیادہ بے ہودہ باتیں شامل کرتی اور اظفر کے سامنے روتے ہوئے سارے دن کی روداد سنا دیتی۔

''امی نے آج مجھ سے کہا کہ میں نے یونیورسٹی میں جن لڑکوں کے ساتھ دوستی کی تھی، انہی لڑکوں کے ساتھ عیاشی کرنے میں گھر سے چلی گئی تھی۔'' میں اندرونی اطمینان اور بیرونی اضطراب کے ساتھ موٹے موٹے آنسوؤں کے ساتھ اظفر کو بتاتی۔ اس کا پارا ہائی ہو جاتا۔

''تم امی کی باتوں پر دھیان مت دیا کرو۔ انھیں فضول باتیں کرنے کی عادت ہے۔'' وہ مجھے تسلی دینے کی کوشش کرتا۔ میں اس کوشش کے

جواب میں ایک اور من گھڑت بات سنا دیتی، وہ اپنا غصہ پیتے ہوئے ایک بار پھر میرے آنسو خشک کرنے کی سعی کرتا۔ میں ردعمل کے طور پر اسے ان چند اور خوبصورت اقوال سے نواز دیتی جو میں تائی سے منسوب کرتی مگر وہ میری اپنی ذہنی اختراع ہوتے پھر یہ سلسلہ دراز ہو جاتا اور اس کا اختتام کچھ اس طرح ہوتا کہ میں اطمینان سے بیڈ پر لیٹ کر چادر سے اپنے چہرے کو ڈھانپ کر لمبی تان کر سو جاتی، جبکہ اظفر کمرے کے چکر لگاتے ہوئے سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہتا۔

اگلے دن صبح ناشتے کی میز پر وہ تائی اماں سے بات کرتا، نہ ہی ان کے ہاتھ سے کوئی چیز لیتا اور بھرپور کوشش کرتا کہ ہر ضرورت کی چیز مجھ سے لے۔ اس کے جانے کے بعد تائی سارا دن پریشان پھرتی رہتیں اور میں اطمینان سے اپنے کمرے میں رہتی۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ میری بتائی ہوئی کسی جھوٹی بات پر اظفر تائی سے بات کرنے پہنچ جاتا اور جب تائی اماں یہ کہتیں کہ انھوں نے یہ بات کہی ہی نہیں اور پھر جھڑک کر مجھ سے پوچھتیں تو میں بے بسی سے اظفر کو دیکھتے ہوئے کہہ دیتی کہ ہاں، انھوں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ اظفر سوچتا، میں تائی سے خوف زدہ ہوں اس لیے کچھ نہیں بتا رہی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ کچھ اور بھڑک جاتا پھر اس کے اور تائی کے درمیان خاصا جھگڑا ہوتا جس میں تائی میرے بارے میں اپنے دلی جذبات اور خیالات کا خاصے اونچے انداز میں اظہار کرتیں اور اظفر کو یقین ہو جاتا کہ جو کچھ میں وقتاً فوقتاً اسے بتاتی رہتی تھی، وہ بالکل درست تھا جبکہ تائی یہی سمجھتیں کہ میں ان کے بیٹے کو ان کے خلاف بھڑکا رہی ہوں۔ (وہ بالکل ٹھیک سمجھتی تھیں، میں ایسا ہی کر رہی تھی)

میں نے اس سلسلے کو صرف تائی امی تک محدود نہیں رکھا بلکہ میں نے اظفر کی بہنوں سے منسوب کردہ باتیں بھی اس کے گوش گزار کرنے کا فریضہ لگن اور دل جمعی سے ادا کیا۔ نتیجہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ اظفر صرف چار ماہ میں اپنی تینوں بہنوں سے اتنا متنفر ہو گیا کہ وہ ان کی شکل دیکھنے کا روادار نہیں تھا اگر وہ گھر میں آتیں تو ان کے پاس بیٹھنے کے بجائے سیدھا کمرے میں آ جاتا اور پھر تب تک وہیں رہتا، جب تک وہ چلی نہ جاتیں اور میں...... میں اس وقت اپنی نندوں کی خاطر مدارت کر رہی ہوتی جس پر اظفر چڑ تا تھا۔ (جبکہ میری نندیں اسے میرا فریب سمجھتی تھیں۔ وہ ٹھیک ہی سمجھتی تھیں، یہ فریب ہی تھا)

''تم ان کی ملازمہ نہیں ہو کہ اس طرح ان کی خدمتیں کرتی پھرتی ہو۔'' اظفر مجھ سے کہتا اور میں جواب میں کہتی۔

''وہ تمہاری بہنیں ہیں اظفر۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتیں مگر میں انھیں اس لیے چھوڑ نہیں سکتی کیونکہ ان کا رشتہ تم سے ہے اور تم سے منسوب ہر چیز سے مجھے محبت ہے۔'' میری بات پر وہ کتنی ہی دیر مجھے دیکھتا رہتا۔

شادی کے صرف چھ ماہ کے اندر اندر میں نے اس گھر پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ لفظی قبضہ نہیں ہے، میں نے واقعی اس گھر پر قبضہ کر لیا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ میں نے وہ گھر اپنے نام کروا لیا تھا۔ آپ کو جھٹکا لگا ہے نا، اس کہانی میں آپ کو ایسے ہی جھٹکے لگ رہے ہوں گے اور آگے چل کر بھی لگیں گے۔ بہرحال میں آپ کو بتا رہی تھی کہ میں نے وہ گھر اپنے نام کروا لیا تھا اور یہ میں نے کیسے کیا تھا چلیں اس کا احوال بھی سن لیں۔

تایا کا گھر اظفر کے نام تھا، جب تایا حویلی سے وہاں منتقل ہوئے تھے تو انھوں نے وہ گھر اظفر کے نام کر دیا تھا۔ کیونکہ اظفر ان کی اکلوتی دیرینہ اولاد تھی۔ یہ بات میں جانتی تھی اور چیس بورڈ پر اگلی چال میں نے گھر کے لیے چلی تھی۔ جب میں نے اظفر کو اچھی طرح سے اس کی ماں اور

بہنوں سے متنفر کر دیا تو ایک شام تائی کے ساتھ ہونے والے جھگڑے کے بعد جب اظفر اپنے کمرے میں آیا تو حسب معمول جھنجلایا ہوا تھا۔ میں حسب معمول خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔ اس نے حسب معمول مجھے خاموش کروانے کی کوشش کی۔ میں نے حسب معمول اپنے آنسوؤں کی مقدار اور رفتار میں اضافہ کر دیا۔ وہ حسب معمول مجھے بہلانے لگا اور حسب معمول بہلنے کے بجائے میں اٹھ کر کمرے کی کھڑکی کی طرف چلی گئی۔ وہاں جا کر میں کھڑکی سے باہر لان میں جھانکنے لگی۔ وہ میرے پاس آ گیا۔

''امی غلط نہیں کر رہی ہیں، جو عورت گھر کی مالک ہو، اسے حق ہوتا ہے کہ وہ اس گھر میں رہنے والوں کے ساتھ جیسا چاہے کرے۔'' میں نے اپنی آواز کو حسب مقدور غمگین بناتے ہوئے کہا۔

''یہ گھر امی کا نہیں، میرا ہے اور میری بیوی ہونے کے حوالے سے تم اس کی مالک ہو۔'' اس نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

''نہیں اظفر اس طرح کوئی بھی مالک نہیں ہوتا۔'' میں نے ایک لمبا وقفہ دیتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''جب میری منگنی ہوئی تھی تو احتشام نے ان دنوں میری امی سے کہا تھا کہ وہ باہر سے پڑھ کر واپس آنے کے بعد اپنا گھر بنائے گا جسے وہ میرے نام کر دے گا۔ جب امی نے مجھے یہ بات بتائی تو میں نے مذاق میں بات اڑا دی مگر بعد میں جب میں نے سوچا کہ ایک الگ اور اپنا گھر کتنی خوشی اور سکون کا باعث ہوتا ہے تو مجھے احتشام پر بہت......'' میں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔ ''میرے ساتھ اگر یہ حادثہ نہ ہوتا اور احتشام میرے ساتھ یہ سب نہ کرتا تو شاید آج میرا بھی اپنا ایک گھر ہوتا۔ اس گھر سے بھی بڑا پھر کوئی اس طرح میری تذلیل نہیں کر سکتا تھا۔'' میں تیزی سے کہہ کر اپنے بیڈ کی طرف آ گئی تھی۔ شادی کے بعد میں نے پہلی بار احتشام کا اس طرح ذکر کیا تھا ورنہ میں ہمیشہ اسے برے لفظوں میں ہی یاد کرتی تھی اور میں جانتی تھی، اب اظفر کے اندر جوار بھاٹے اٹھ رہے ہوں گے۔ میں اطمینان سے بیڈ پر آ کر سو گئی۔

رات کے تین بجے کسی نے مجھے جھنجوڑ کر اٹھایا۔ میں کچھ گھبرا کر اٹھی تھی۔ ''فاطمہ، میں صبح یہ گھر تمہارے نام کر رہا ہوں۔'' مجھے یہ جملہ صبح سننے کی توقع تھی، وہ رات کے اس پہر سنا رہا تھا۔ اب وہ میری طرف اس بچے کی طرح دیکھ رہا تھا جو کوئی اچھا کام کر کے داد کا منتظر ہو اور میں نے وہ داد اسے دینی شروع کر دی۔

''نہیں اظفر، آخر تم میرے لیے کیا کیا کرو گے؟''

''جو کر سکتا ہوں، وہ کروں گا۔ مجھے صرف یہ بتاؤ، تم میرے ساتھ خوش ہو نا؟''

''تمہارا ساتھ میرے لیے جس احساس کا باعث ہے، وہ خوشی سے بہت بڑا ہے مگر یہ گھر میں نہیں لوں گی۔ میں تمہاری چیز لینا نہیں چاہتی۔''

''جب میں خود تمہارا ہوں تو میری ہر چیز بھی تمہاری ہو جاتی ہے۔'' اس نے کہا تھا اور اس کے بعد اس نے مجھ سے بہت سی باتیں کہی تھیں۔

خیر تو گھر میرا ہو گیا۔ اس کے بعد کیا تھا؟

اس کے بعد آہستہ آہستہ میں نے ہر ایک چیز کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا۔ تائی اماں نے گھر میرے نام کرنے پر واویلا کیا تھا مگر اظفر کے سامنے وہ کیا کر سکتی تھیں اور پھر تایا ابا تھے جو میری طرف داری کیا کرتے تھے۔ میرے لیے سب کچھ آسان سے آسان تر ہو گیا۔ اگلے کچھ سالوں

میں، میں نے اظفر کو اس کے دوستوں سے بالکل کاٹ کر رکھ دیا۔ میرے بچوں کی پیدائش نے اس کام میں اور بھی آسانی کر دی۔ میں نے اظفر کو بچوں کی ذمے داریوں اور کاموں میں پوری طرح الجھا دیا۔ اس کا فارغ وقت بچوں کو سیر و تفریح کروانے اور ان کے ساتھ کھیلنے میں صرف ہوتا تھا۔ میں چاہتی ہی نہیں تھی، وہ گھر سے باہر کہیں اور کچھ وقت گزارے، کہیں اور آئے جائے۔

تینوں بچوں کی پیدائش پر میں اظفر سے فیکٹری کے کچھ شیئرز ان کے نام لگواتی رہی اور اب حال یہ ہے کہ گھر میرے نام ہے۔ فیکٹری میرے بچوں کے نام ہے۔ یہی حال اس کے بنک اکاؤنٹس اور باقی جائیداد کا ہے۔

پندرہ سال بعد آج میں اس پوزیشن میں ہوں کہ چاہوں تو اظفر کو اس کے اپنے گھر اور بزنس سے بے دخل کر دوں، اسے اس کے بچوں سے ملنے نہ دوں۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اظفر نے مجھے یہ قانونی اختیار دے رکھا ہے کہ اگر کبھی ہماری علیحدگی ہوگئی تو بچے میرے پاس رہیں گے اور وہ ان کی تحویل کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

پندرہ سال پہلے میں نے چیس بورڈ پر بنے ہوئے مہروں کے ساتھ ایک ایسی بازی شروع کی تھی جس میں ہر خانے پر ایک بڑی مات میری منتظر تھی اور مجھے دیکھنا تھا کہ پٹے ہوئے مہروں کے ساتھ میں اس مات سے کیسے بچتی ہوں۔ آج پندرہ سال بعد میں اظفر اعزاز کو اپنی جگہ لے آئی ہوں۔ مجھ میں اور اس میں فرق بس یہ ہے کہ مجھے پتا تھا کہ میرے چاروں طرف مات ہے اور اظفر یہ نہیں جانتا۔

مگر میں اظفر کو چیک میٹ کبھی نہیں دوں گی۔ پھانسی پر کسی کو لٹکانے سے بہتر ہے کہ آپ اس بندے کو پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیں اور تختے کا لیور اپنے ہاتھوں میں رکھیں پھر اطمینان سے زندگی گزارتے رہیں۔ آپ خود سوچیں اگر زندگی میں اب کبھی اظفر کو یہ پتا چلتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کتنے بڑے فریب میں گزاری ہے تو وہ کیا کرے گا۔ اپنے گناہ سے انکار کیسے کرے گا۔ پولیس سٹیشن میں ریکارڈ شدہ ٹیپ اب بھی میرے پاس ہے۔ اگر آج میں وہ ٹیپ اسے سنا دوں تو پھر وہ مجھ سے اور اپنے بچوں سے نظر کیسے ملائے گا اور پھر اگر میں اس کی مکمل تباہی کی خواہش کروں تو میں اسے سڑک پر لا سکتی ہوں۔ وہ صرف مالی طور پر بھی تباہ نہیں ہوگا ذہنی اور جذباتی طور پر بھی تباہ ہو جائے گا مگر میں نے آپ سے کہا نا کہ ایسا کر کے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ مجھے ایک شوہر کی اور میرے بچوں کو ایک باپ کی ضرورت ہے اور اس لیے میں اظفر کو استعمال کر رہی ہوں، جھوٹے لفظوں کے فریب دے کر۔ کیا برا ہے اگر بندہ سال میں چار، چھ بار کسی کے سامنے جھوٹی تعریفوں کے پل باندھ دے۔ ایسے پل جن پر لوگوں کو چڑھانے کے بعد آپ جب چاہیں لوگوں کے پیروں تلے سے زمین کھینچ سکیں۔ میں بھی اظفر کے ساتھ یہی کرتی ہوں، وقتاً فوقتاً اس کی تعریفیں کرتی ہوں اور پھر وہ وہی کرتا ہے جو میں چاہتی ہوں اور ساتھ ساتھ خود کو میرا نجات دہندہ سمجھ کر خوش بھی ہوتا رہتا ہے۔ اظفر کے ساتھ میں کوئی ایسی بری زندگی نہیں گزار رہی ہوں بلکہ سچ مانیے تو مجھے اس سے تھوڑی بہت محبت بھی ہوگئی ہے۔ ہو ہی جاتی ہے اگر ایک بندہ آپ کا اتنا تابعدار ہو پھر آپ کا شوہر ہو اور پھر آپ کے بچوں کا باپ بھی ہو۔ آپ ہی بتائیں، کیا تھوڑی بہت محبت ہونے کے لیے اتنی دلیلیں کافی نہیں ہیں اور پھر آپ یہ بھی تو سوچیں کہ ماضی کے بارے میں سوچ سوچ کر میں خود کو پاگل کس لیے کرتی۔ اگر مرد کبھی پچھتاوے کا شکار نہیں ہوتا تو پھر عورت کیوں ہو۔ اگر مرد ہر حال میں زندگی انجوائے کر سکتا ہے تو پھر عورت کیوں انجوائے نہ کرے۔ ٹھیک ہے؟

تو میں آپ کو بتا رہی تھی کہ کچھ دیر پہلے اخبار میں شائع ایک خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے جب میں نے اپنے شوہر سے یہ کہا کہ عورت مرد سے زیادہ عقلمند ہوتی ہے تو میرے شوہر کا دل بے اختیار ہنسنے کو چاہنے لگا اور پھر میرے باہر آ جانے کے بعد یقیناً وہ بہت دیر تک اس بات پر ہنستا رہا ہوگا۔ اب تو یقیناً آپ جان ہی چکے ہوں گے کہ اس کی ہنسی کی وجہ کیا ہے اور میں عورت کو مرد سے زیادہ عقل مند کیوں سمجھتی ہوں، اس کی وجہ بھی آپ سے مخفی نہیں ہے۔

عورت ہر بازی دل سے کھیلتی ہے مگر کبھی کبھار کوئی ایک بازی ایسی ہوتی ہے جسے وہ دماغ سے کھیلتی ہے اور اس وقت کم از کم اس بازی میں کوئی اس کے سامنے کھڑا رہ سکتا ہے، نہ اسے چت کر سکتا ہے۔ اور وہ بازی...... وہ بازی بقا کی بازی ہوتی ہے۔

☆......✪......☆